سنٹر فار ریلیجیس اسٹڈیز اینڈ گائیڈنس (CRSG) علی گڑھ کی پیش کش

برصغیر ہند میں
اشاعتِ اسلام کی تاریخ

صوفیہ، علماء، سلاطین اور تجّار کی مساعی کا جائزہ

مفتی محمد مشتاق تجاروی

ترتیب

پیش لفظ ۷
مقدمہ ۹
باب اوّل: صوفیہ کی تبلیغی خدمات ۲۳
تمہید ۲۳
صوفیہ کا طریقہ تبلیغ ۲۴
صوفیہ کی داعیانہ کاوشیں ۲۹
شیخ علی ہجویریؒ ۲۹
شاہ عبداللہؒ ۲۹
شیخ دتو خویشگیؒ ۳۱
سلطان سخی سرورؒ ۳۲
سید جلال الدین بخاریؒ ۳۳
شیخ سنجانؒ ۳۳
خواجہ اجمیریؒ ۳۰
شیخ حمید الدین ناگوریؒ ۳۷
میراں سید حسینؒ ۳۷
شیخ بہاء الدین زکریاؒ ۳۷
شیخ فرید الدین گنج شکرؒ ۳۸
شیخ نظام الدین اولیاؒ ۳۹
شیخ جلال الدین سلہٹؒ ۴۰
سلطان محمدؒ ۴۱
شیخ محمد ترک نارنولیؒ ۴۲
مولانا کمال چشتیؒ ۴۲
سید محمد بندہ نوازؒ ۴۲
بوعلی شاہ قلندرؒ ۴۳
شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ ۴۴
حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ ۴۴
شیخ موسیٰ نوابؒ ۴۷
شیخ عبدالوہاب شاذلیؒ ۴۸
کشمیر میں اسلام ۴۸

بلبل شاہؒ ۴۹
سید علی ہمدانیؒ ۴۹
شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ ۵۲
سید سلطان بہرائچیؒ ۵۳
امام شاہؒ ۵۳
شیخ جلال الدین تبریزیؒ ۵۳
سید نطہر ولیؒ ۵۵
سید ابراہیم شہیدؒ ۵۶
بابا فخر الدینؒ ۵۶
سید عبدالقادر ولیؒ ۵۶
پیر معبریؒ ۵۶
شیخ صوفی سرمستؒ ۵۷
شیخ برہان الدینؒ ۵۷
شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ ۵۷
حاجی وارث علی شاہؒ ۵۹
میاں محمد شیرؒ ۵۹
شاہ محمد سلیمان پھلواریؒ ۵۹
رفاعی فقراءؒ ۶۰
راجہ موتی سنگھ کا قبول اسلام ۶۰
حواشی ۶۱
باب دوم: علماء کی تبلیغی خدمات ۶۷
تمہید ۶۷
شیخ اسماعیل لاہوریؒ ۶۹
اسماعیلی مبلغین کی کاوشیں ۷۰
اسماعیلیوں کا طریق تبلیغ ۷۳
نورست گرو ۷۴
مولانا نور ترک ۷۵
شاہ شمس سبزواری ۷۶
پیر صدر الدین ۷۶
کبیر الدین حسن دریا ۷۷

بوھرہ ۸۲

سنی علماء کی تبلیغی کاوشیں ۸۳

سلطنت مغلیہ کے دورِ زوال میں علماء کی مساعی ۸۶

سید احمد بریلویؒ ۸۸

علماء صادق پور ۹۱

مولوی بقا ۹۱

مولوی حسن علیؒ ۹۲

بابو عبدالرحمٰنؒ ۹۲

قاضی صفدر علیؒ ۹۲

مولانا شاہ طالب حسینؒ ۹۳

مولانا شاہ عبدالعلیمؒ ۹۳

مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ ۹۴

حاجی عبدالرحمٰن اٹاوڑیؒ ۹۴

مولانا عبیداللہ پٹیالویؒ ۹۵

نواب بہادر یار جنگؒ ۹۵

حواشی ۹۶

باب سوم: سلاطین کی تبلیغی خدمات ۱۰۱

تمہید ۱۰۱

محمد بن قاسم اور فتح سندھ ۱۰۱

محمد بن قاسم کی مذہبی پالیسی ۱۰۶

محمد بن قاسم اور اشاعت اسلام ۱۰۷

محمد بن قاسم کے بعد اشاعت اسلام ۱۰۸

سندھی نژاد علماء ۱۱۰

بدھ مت کے پیروکار اور اسلام ۱۱۰

رنجن شاہ کا قبول اسلام ۱۱۳

عہدِ غزنوی اور اشاعت اسلام ۱۱۴

ناصر الدین سبکتگین ۱۱۵

محمود غزنوی ۱۱۶

سالار مسعود غازی ۱۱۶

دہلی سلطنت ....

شہاب الدین غوری ۱۱۹
قطب الدین ایبک ۱۲۰
اختیار الدین بختیار خلجی ۱۲۱
قطب الدین مبارک شاہ ۱۲۲
علاؤ الدین خلجی ۱۲۲
فیروز شاہ تغلق ۱۲۳
عہدِ مغلیہ
ظہیر الدین بابر ۱۲۴
جہانگیر ۱۲۵
شاہ جہاں ۱۲۵
اورنگ زیب عالم گیر ۱۲٦
ٹیپو سلطان ۱۲۹
حواشی ۱۳۱
مسلم سلاطین پر اعتراضات کا جائزہ ۱۳۷
تمہید ۱۳۷
جبریہ اشاعتِ اسلام ۱۳۸
جزیہ اور اشاعتِ اسلام ۱۴۰
جنگی قیدیوں کو جبریہ مسلمان کرنے کا شاخسانہ ۱۴۴
باب چہارم: مسلمان تاجروں کی تبلیغی خدمات ۱۴۷
تمہید ۱۴۷
عرب و ہند کے قدیم تجارتی تعلقات ۱۴۸
مسلمان تاجروں کے اثرات ۱۴۹
تاجروں کی تبلیغی خدمات ۱۵۲
مالابار ۱۵۲
معبر ۱۵۴
مالدیپ اور لکش دیپ ۱۵۵
لداخ ۱۵۵
کشمیر ۱۵٦
عسیفان ۱۵٦
اشاعت اسلام کے اسباب ....
حواشی ۱٦۱
مراجع ۱٦۳

پیش لفظ

برصغیر کی ملت اسلامیہ اپنے غیر معمولی تاریخی، تہذیبی، ثقافتی ورثہ اور اپنی عظیم تعداد کے اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس نے عہد وسطیٰ کے ہندستان میں ایک شاندار تاریخ رقم کی ہے اور دورِ جدید میں بھی ملت اسلامیہ کی موجودہ بیداری میں اس کا کردار نمایاں ہے۔

اگر چہ تاریخ ہند پر متعدد تحقیقی کام ہوئے ہیں، خود مسلمان اہل قلم نے مفصل تاریخیں لکھی ہیں، لیکن اس خطہ میں اشاعت اسلام کی تاریخ پر یکجا کوئی قابل اعتماد تفصیل دستیاب نہیں ہے، اور بالخصوص ہندستان کی کروڑوں کی آبادی کے پیغام حق سے آشنا ہونے کے واقعاتِ ماضی ہنوز مزید تحقیق کے متقاضی ہیں۔

اس کام کی کئی پہلوؤں سے افادیت ہے۔ اولاً یہ کہ اس سے ملت اسلامیہ ہند کی تاریخ کے اوّلین ابواب کی مستند تاریخ سامنے آسکے گی، جس کی گوناگوں پہلوؤں سے بڑی اہمیت ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے اس الزام کی حقیقت واضح ہو سکے گی کہ اسلام کی اشاعت کا اصل ذریعہ مسلم حکومتوں کی قوت و طاقت، لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا اور جزیہ وغیرہ قوانین کا نفاذ رہا ہے۔ اور سوم یہ کہ اسلام کی حقانیت و دل نشینی کی وہ اصل تصویر نکھر کر سامنے آسکے گی جو وسیع تر ہندستان میں دلوں کو اس طرح مسخر کرتی رہی کہ ملک کی ایک بڑی آبادی اس کو اپنے لیے ہزار سجدوں سے نجات کا ذریعہ سمجھتی اور اپنی رضا و رغبت کے ساتھ اختیار کرتی چلی گئی۔

مجھے مسرت ہے کہ مرکزِ مذہبی تحقیقات و رہنمائی (CRSG) علی گڑھ کے ریسرچ فیلو مفتی محمد مشتاق تجاروی کی یہ کتاب ''اشاعتِ اسلام کی تاریخ'' اسی مقصد کے حصول کی جانب ایک مستحسن قدم اور خوب صورت کوشش ہے، جس میں مطالعہ و تحقیق کے ضروری اصولوں کو پیش نظر

رکھ کر معروضی طور پر ہندستان میں دعوت دین کے آغاز اور سماج کے مختلف طبقات کا اس اہم کام میں ادا کیا گیا فریضہ بہت ہی سلیقے سے مربوط شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے اور مختلف نظریات پر مدلل گفتگو کرنے کے ساتھ ہی بہت سی بے بنیاد باتوں، غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کا ازالہ کرتے ہوئے اسلام کا رخِ زیبا بھی دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

ہندستان میں اسلام کی اشاعت میں صوفیہ، علماء، سلاطین سبھی نے حصہ لیا ہے۔ مفتی محمد مشتاق تجاروی صاحب نے ان تمام حضرات کی کوششوں کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔ اس طرح موضوع کا حق ادا کرنے کے ساتھ اس سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے معلومات کا بکھرا ہوا ذخیرہ حسن ترتیب کے ساتھ یکجا پیش کر دیا ہے۔

مشتاق تجاروی صاحب نے اسلام کی اشاعت کے بارے میں غلط نظریات کی تردید کے لیے بھی ایک مستقل باب قائم کیا ہے جو وقت کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل کے ساتھ ہی اس کتاب کی افادیت میں بھی غیر معمولی اضافہ کا ذریعہ بنا ہے۔ تجاوری صاحب کی یہ کتاب برصغیر میں اشاعتِ اسلام کی تاریخ کے مختلف گوشوں پر محیط ایک اہم اور مفید کاوش ہے، جس کے لیے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

امید ہے کہ یہ کتاب ان شاء اللہ صوفیہ و علمائے کرام، اہلِ منصب و اقتدار، تاجر حضرات اور عام علمبرداران حق کو اشاعتِ اسلام کے تئیں اپنے فرائض و ذمے داریوں پر غور و فکر کرنے کا بہترین موقع فراہم کر کے انھیں اس کی ادائیگی کے لیے مضطرب، بے چین و متحرک کر سکے گی۔

ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری
ڈائرکٹر مرکز مذہبی تحقیقات و رہنمائی، علی گڑھ
اور امیر جماعت اسلامی ہند

مقدمہ

ہندستان میں اشاعت اسلام کی تاریخ ایک جامع اور وسیع موضوع ہے۔ اس پر کئی پہلوؤں سے نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ جس طرح ان سیاسی، سماجی اور مذہبی عوامل کے مطالعہ کی ضرورت ہے جن کی وجہ سے اسلام کی اشاعت ہوئی، اسی طرح ان اسباب وعلل کا جائزہ لینے کی بھی ضرورت ہے جو اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنے۔ مسلمان یہاں کم وبیش ابتدائے عہد اسلامی سے موجود ہیں۔ انہوں نے یہاں صدیوں حکمرانی کی۔ لیکن ہندستان میں اسلام کو وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جو مسلمانوں کے دیگر مفتوحہ علاقوں اور ممالک میں ہوئی۔

ہندستان میں اشاعت اسلام کی تاریخ کے مراجع بھی بہت کم دستیاب ہیں۔ عہد وسطی میں لکھی گئی فارسی کی تاریخوں میں سلاطین کی فتوحات کا تذکرہ ہے۔ سماجی نوعیت کی کتابوں جیسے صوفیہ کے ملفوظات، عبدالقادر بدایونی کی نجات الرشید، یا شیخ مجدد الف ثانی کے خطوط یا فتاوی کی کتابوں وغیرہ میں اشاعت اسلام کے حوالے شاذ ونادر ہی ملتے ہیں۔ تاہم جو مراجع دستیاب ہیں ان کی روشنی میں ایک بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ ہندستان میں اشاعت اسلام درحقیقت انفرادی کاوشوں کا ثمرہ ہے اور قبول اسلام بھی زیادہ تر انفرادی سطح پر ہوا۔ پوری قوموں یا علاقوں کے مسلمان ہوجانے کا ثبوت یہاں نہیں ملتا جیسا کہ مشرق وسطی کے اکثر ممالک میں ہوا۔ ہندستان میں بدھوں کے بارے میں اکثر یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اجتماعی طور پر اسلام قبول کیا، ممکن ہے یہ بات کسی حد تک درست ہو۔ لیکن محتاج ثبوت ہے۔

اگر یہاں اشاعت اسلام کے حوالے سے کی گئی کوششوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ انفرادی کوششوں کے علاوہ مسلمانوں کے ہر طبقے نے اشاعتِ اسلام میں اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ سہولت کے لیے ہم نے اشاعت اسلام کی خدمات انجام دینے والوں کو چار گروہوں میں تقسیم کیا ہے:

صوفیہ

علماء

سلاطین

تجار

ان گروہوں میں صوفیہ کا مطمح نظر عام طور پر اخلاقی اصلاح کا ہوتا تھا، اس لیے ان کے حلقہ ارادت میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں شامل ہوتے تھے۔ تاہم ان کی زندگی اسلام کا ایک نمونہ ہوتی تھی جس سے غیر مسلم متاثر ہوکر اسلام قبول کر لیتے تھے۔ یقیناً بعض صوفیہ میں تبلیغی جذبہ بھی تھا جس کا اظہار ان کے حالات اور ان کے ملفوظات سے ہوتا ہے۔

جہاں تک سلاطین کا تعلق ہے ان میں جذبہ کشور کشائی تو بہت تھا، لیکن اشاعت اسلام کا جذبہ اتنا نہیں تھا، بعض سلاطین ذاتی طور پر اشاعت اسلام کے خواہش مند تھے۔ جیسے سلطان فیروز شاہ تغلق اور سلطان محمود بیگڑہ وغیرہ۔ سلطان جہانگیر کا نام بھی اس فہرست میں شامل ہے۔ انہوں نے اشاعت اسلام کے لیے پرامن کوشش کی اور نومسلموں کو بعض سہولیات بھی عطا کیں۔

اسی طرح علماء نے بھی اشاعت اسلام اور تبلیغ میں حصہ لیا۔ خاص طور پر مسلم حکومت کے زوال اور برطانوی اقتدار کے عہد عروج میں علماء کی مساعی زیادہ نظر آتی ہیں۔ عہد وسطیٰ میں حکومت کے نظم و انتظام میں مقام حاصل کرنے کی جدوجہد زیادہ رہی اور اشاعت اسلام کے لیے جدوجہد کم۔

ان گروہوں میں بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اشاعت اسلام کسی کا نصب العین نہیں رہا، بلکہ صوفیہ کا مقصد بالعموم لوگوں کے عادات و اخلاق کی اصلاح ہوتا تھا۔ ان کے حلقہ ارادت میں اکثریت مسلمانوں کی ہوتی تھی، غیر مسلم بھی خاص طور پر اعلیٰ طبقہ کے لوگ ان کے یہاں حاضری دیتے تھے، البتہ ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک، اور ان کے مساویانہ رویہ سے متاثر ہوکر یا بعض اوقات توحید کی تعلیم یا شرک سے نفرت کی بنا پر بعض غیر مسلم اسلام قبول کرتے تھے۔ بالعموم اس طرح کے تذکرے ملتے ہیں۔ مثلاً خواجہ حسین ناگوری (۱۳۹۰-۱۴۹۵) کا ایک بالمیکی ملازم ان کے ہاتھ پر ایمان لے آیا۔(۱)

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا علماء میں بڑی تعداد ان کی تھی جنھوں نے تبلیغ کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ بلکہ ایسے بھی علماء گزرے ہیں جنہوں نے اسلام کی اشاعت کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔

جیسے مولانا ضیاء الدین برنی۔ البتہ مغلیہ حکومت کے زوال کے ساتھ ہی علماء کرام نے تبلیغ اسلام کی جدوجہد شروع کر دی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ عیسائی پادری اور آریہ سماجی ہندو دونوں گروہوں نے بیک وقت اسلام اور مسلمانوں پر حملہ کیا اور مناظرہ بازی کے میدان میں جگہ جگہ علماء کو چیلنج کیا۔ بلکہ بعض مسلمان شُدھی کے نام پر ہندو بھی بنا لیے گئے۔ علماء اسلام نے ان مناظروں کا جواب دیا، بعض ہندو بھی ان مناظروں سے متاثر ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔ اسی طرح علماء نے خاص مسلمانوں میں دینی فکر بیدار کرنے کی مہم چلائی تو اس سے بھی بہت سے ہندو مسلمان ہوئے۔

تاجروں کا اصل کردار یہ ہے کہ انہوں نے ایک تو اسلامی معاشرہ قائم کیا اور اس کے ذریعے سے اسلامی معاشرت کا عملی نمونہ پیش کیا جس میں چھوت چھات، بھید بھاؤ اور اونچ نیچ نہیں تھی۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے غیر مسلموں کے ساتھ ایمانداری کے ساتھ تجارت کی اور اس طرح دوسروں کے سامنے اسلامی کردار کا نمونہ پیش کیا۔ اس کے علاوہ تاجر چوں کہ سمندری اسفار کرتے تھے اور ہندو روایات کے مطابق سمندر میں سفر کرنا جرم سمجھا جاتا تھا، اس لیے اگر کوئی ہندو سمندری سفر کر لیتا تو اسے بالعموم مسلمانوں میں شمار کر لیا جاتا تھا، بلکہ ایسا بھی تھا کہ بعض غیر مسلم حکمراں اپنی رعایا میں سے بعض ہندوؤں کو خود مسلمانوں کے حوالے کرتے تھے۔ تاکہ ان کے پاس سمندری سفر کرنے والے لوگ رہیں۔ اس کی تفصیل آگے پیش کی جائے گی۔ ان چار گروہوں کی مساعی کا تفصیلی تعارف بھی آئندہ ابواب میں کرایا جائے گا۔ ان کاوشوں کے علاوہ ایک اہم عنصر جس نے اشاعت اسلام میں اہم کردار ادا کیا ہے وہ ہندستان میں مسلم معاشرہ کی تشکیل ہے اور اس تشکیل میں تاجروں کا حصہ سب سے نمایاں ہے۔

مسلم معاشرہ نے مجموعی طور پر ایک ایسا ماحول تشکیل دیا جو بہت سی معاشرتی خرابیوں سے بڑی حد تک پاک تھا۔ جیسے نسلی برتری، چھوت چھات، اونچ نیچ وغیرہ۔ اس کے علاوہ اس معاشرہ کا طرز حیات نسبتاً پاکیزہ اور طریقہ عبادت یکساں تھا۔ ان میں خالص توحید اور ایک مکمل مذہبی زندگی تھی۔ ان سب عوامل اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی سیاسی برتری نے ایک ایسا ماحول بنا دیا جس میں اسلامی اقدار کو بالعموم برتری حاصل ہو گئی، اس لیے لوگ ان کو اختیار کرنے لگے۔ لباس عام طور پر وہی استعمال کیا جانے لگا جو مسلمان کرتے تھے، وہی زبان رائج ہوئی جو مسلمانوں

کی تھی بلکہ بعض جگہ مردوں کو دفن کرنے کی رسم جاری ہوئی وغیرہ۔ آرنلڈ جو ان چیزوں کا خود مشاہد ہے رقمطراز ہے:

''اسلامی کتابیں پڑھنے اور مسلمانوں کی صحبت میں بیٹھنے سے بھی ہندوؤں نے اکثر اوقات غیر محسوس طریقے سے اسلام کا اثر قبول کیا ہوگا۔ انیسویں صدی میں راجپوتانہ اور بندیل کھنڈ کے راجپوت حکمرانوں میں اسلام کی طرف اس قسم کا میلان پایا گیا ہے۔ اگر سلطنت مغلیہ کو دوام حاصل ہوتا تو یہ راجے بالآخر مسلمان ہو جاتے۔ وہ نہ صرف مسلمان اولیاء کا احترام کرتے تھے بلکہ اپنے لڑکوں کے لیے مسلمان اتالیق اور معلم مقرر کرتے تھے۔ وہ اپنے کھانے کے لیے جانوروں کو اسلامی طریقہ پر ذبح کراتے تھے۔ اور اسلامی تہواروں میں شریک ہوتے تھے اور سچے مسلمانوں کی طرح دعائیں مانگتے تھے۔ (۲)

بہت سے ہندو ذاتی مطالعہ اور تحقیق کے بعد خود مسلمان ہوئے، مثلاً راجہ کنس (متوفی ۱۴۰۴ء) کا بیٹا جٹ مل اس نے مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کر کے اسلام قبول کیا اور اپنا نام جلال الدین رکھا۔ (۳) اسی طرح ریاست پٹیالہ میں ایک خوشحال برہمن کوٹے مل کا اکلوتا بیٹا اسلام اور دیگر مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد مسلمان ہو گیا۔ (۴)

بعض انتہاء پسند ہندو مصنّفین یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہندستان میں اسلام کی اشاعت بزور شمشیر ہوئی۔ یہ الزام کسی بھی تاریخی سند کے بغیر اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سے ناواقفیت کی بنا پر ہے، اس طرح کا الزام دراصل کئی پہلوؤں کو نظر انداز کر کے لگایا جاتا ہے۔ ایک پہلو اسلام کی دعوتی روح ہے۔ اسلام اپنے انتہائی دور زوال میں بھی پھلتا پھولتا ہے جیسا کہ فتنہ تاتار کے وقت ہوا کہ پوری کی پوری فاتح قوم مسلمان ہوگئی۔ اسی طرح آج بھی جب کہ اسلام چاروں طرف سے نرغہ میں ہے، اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

دوسرا پہلو جس کو وہ نظر انداز کرتے ہیں وہ تاریخی استناد کا ہے۔ تاریخ ہند کی کتابوں میں بعض ایسے جملے موجود ہیں، جیسے ''اللہ کی تلوار بے نیام ہو چکی ہے'' یا ''اسلام قبول کرو یا جنگ کرو'' یا ''تیغ تبلیغ'' وغیرہ۔ لیکن ہر مؤرخ جانتا ہے کہ یہ نعرے خالص سیاسی تھے، بلکہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایسے نعرے دینے والوں کی تیغ تبلیغ کا شکار بالعموم مسلمان ہی ہوئے، غیر مسلموں سے انہوں نے شاید ہی کوئی جنگ کی ہو۔ اس لیے یہ الفاظ جن کو انہوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا تھا، ان کے عہد میں کسی جبریہ تبدیل مذہب کا ثبوت نہیں ہو سکتے۔

تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ کسی بھی مسلم حکمران نے کسی جبر یا دباؤ کے ذریعے سے کسی کا مذہب تبدیل نہیں کرایا، اس کی تفصیل ایک مستقل باب میں آ رہی ہے۔

بعض ایسے مؤرخین جو اسلام کی اشاعت صرف جبر کا نتیجہ قرار دیتے ہیں ان کی فکر کا محور صرف یہ ہے کہ اسلام یا تو تلوار سے پھیلا یا پھر جبر کے دوسرے طریقوں سے اس کی اشاعت ہوئی۔ خود اسلام کی سادگی اور حقانیت اس کی اشاعت کا سبب نہیں بنی۔ ان کی نظر میں ہندستان پر مسلمانوں کے حملے چاہے محمد بن قاسم کے ہوں یا محمود غزنوی کے یا پھر امیر تیمور کے، ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہندستان کو اسلام کے رنگ میں رنگ دیا جائے۔ ایسے ہی ایک مؤرخ کے ایس لال (K.S. Lal) ہیں، جو ایک وسیع المطالعہ مصنف ہیں، اور اپنی کتاب The Khiljis میں مسلمانوں کے بارے میں ایک معتدل نقطہ نظر پیش کر چکے ہیں۔ بعد کی تصنیفات میں ان پر ہندو قوم پرستی کا غلبہ نظر آتا ہے اور وہ مسلمانوں کے پورے عہد کو مذہبی تشدد اور جبریہ تبدیلی مذہب کا دور بتاتے ہیں۔ لیکن خود ان کو بھی اعتراف ہے کہ ۱۶۰۰ء تک ہندستان میں مسلمانوں کا تناسب آبادی بہ مشکل ۹ فیصد تھا۔ (۵) یعنی بقول ان کے جو زبردست مذہبی تشدد کا دور تھا اس میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد جس میں غیر ملکی اصل کے بھی لوگ تھے، صرف ۹ فیصد تھی۔ اگلی دو صدیوں یعنی ۱۸۰۰ء تک یہ تناسب ۱۴ فیصد سے بھی کم تھا (۶)۔ ۱۸۰۰ء کے بعد مسلم حکومت زوال پذیر ہوگئی، لیکن اسلام کی اشاعت میں نہایت تیز رفتاری سے اضافہ ہوا اور ۱۹۴۷ء تک یہ تناسب ۵۲ فیصد ہو گیا۔ مسلم آبادی میں یہ اضافہ پرامن تبدیلی مذہب کے ذریعہ ہوا۔ یہ دور علماء کی تبلیغ کا ہے، علماء کی تبلیغ کے زیر اثر بخوبی اسلام کی اشاعت ہوئی، آرنلڈ نے ۱۸۹۵ء میں اپنا مشاہدہ لکھا ہے کہ سالانہ چھ لاکھ تک لوگ مسلمان ہو جاتے ہیں (۷)۔ ایک مثال اس پرامن تبلیغ کے ذریعہ بنگال میں اشاعت اسلام کی ہے جہاں ۱۸۷۰ء میں مسلمان اقلیت میں تھے۔ لیکن ۱۹۴۷ء تک وہاں مسلمان اکثریت میں ہو گئے۔ (۸) یہاں تبدیل مذہب زیادہ تر فرائضی تحریک اور دیگر علماء کی تعلیم و تلقین کی رہینِ منت ہے۔

۱۸۸۱ میں ہندستان میں پہلی مردم شماری ہوئی۔ اس کے بعد سے ہر دس سال پر مردم شماری ہوتی رہی۔ اس لیے اس کے اعداد و شمار تقریباً یقینی حد تک دستیاب ہیں۔ حسب ذیل جدول میں اس اضافہ کو دیکھا جا سکتا ہے۔

1881	49953000
1891	57068000
1901	62110000
1911	67835000
1921	71005000
1931	79447000
1941	94447000

اشاعتِ اسلام کا سلسلہ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی جاری رہا۔ اس کو روکنے کے لیے سماجی اور حکومتی سطح پر متعدد کوششیں کی گئیں۔ ان کے باوجود ہنوز یہ سلسلہ قایم ہے۔ انگریزی عہد کے مؤرخوں نے عام طور پر یہ تجزیہ کیا ہے کہ ہندستان میں چونکہ طبقاتی نظام تھا، جس کی وجہ سے ہندستانیوں کی ایک بڑی تعداد عام انسانی حقوق سے بھی محروم تھی۔ اسلام اس طبقے کے لیے پیغام رحمت بن کر آیا اور انہوں نے ''اونچی ذاتوں'' کے ظلم سے نجات پانے کے لیے اسلام قبول کرلیا۔

لیکن تاریخی مراجع کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ تجزیہ پورے طور پر درست نہیں ہے، بلکہ اس طبقاتی نظام نے اشاعت اسلام میں اتنا کردار ادا نہیں کیا، جتنا اشاعت اسلام کو روکنے میں کیا۔ اس ظلم و جبر پر مبنی طبقاتی نظام نے ہندو سماج کو ایک مضبوط خول میں کس دیا جس سے ہندو بہ مشکل نکل پاتے تھے۔ اس جبر کا اعتراف بعض مؤرخین نے کیا ہے۔ اور عہد وسطی کے بعض صوفیہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

ایک انتہاء پسند ہندو مصنف اور آر ایس ایس کے سنگھ چالک گولوالکر نے اپنی مشہور کتاب Bunch of thoughts میں لکھا ہے کہ ہندوؤں کا طبقاتی نظام اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوا۔ اگر یہ نظام نہ ہوتا تو پورا ہندستان اسلام کے دائرے میں آجاتا۔ جس طرح ایران اور وسط ایشیاء کے ممالک جہاں یہ نظام نہیں تھا، مسلمان ہوگئے، بلکہ خود ہندستانی ریاست بنگال میں اسلام کی اشاعت اس لیے زیادہ ہوئی کہ وہاں بدھ مذہب کی وجہ سے طبقاتی نظام ٹوٹ گیا تھا۔ اسلام کی اشاعت کسی ایک طبقہ میں نہیں ہوئی بلکہ ہر طبقہ کے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ کے ایس لال (K.S. Lal) نے لکھا ہے:

> ''معاصر شہادتوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نیچی ذات ہونا اسلام قبول کرنے کا سبب ہے۔(۹)

ایک اعتدال پسند ہندو مصنف رام داس گوڑ نے اس طبقاتی نظام اور اس کے ذریعہ

سے مسلمانوں سے سماجی روابط کے انقطاع کو ہندو مذہب کا محافظ بتاتے ہوئے لکھا ہے:

''جب مسلمانوں نے ہندستان پر قبضہ کیا تو اگر چہ ان کے مقاصد ہندستان کے مخالف تھے لیکن تہذیب بالکل الگ تھی۔ یہاں کے اہم پنڈتوں اور خاص طور پر برہمنوں نے بڑی سمجھداری سے اس اجنبی تہذیب والوں کا سماجی مقاطعہ کیا اور سماجی طور پر ملنے جلنے کے جو مواقع تھے، ان میں ہندوؤں کو مسلمانوں سے حتی الوسع ملنے نہیں دیا...... سماجی مقاطعہ کا یہ ایسا زوردار ہتھیار تھا کہ اس نے اس درجہ کی بہیمانہ کشمکش کے باوجود ہندوراشٹر کو زندہ رکھا۔(۱۰)

ایک معاصر مسلمان مؤرخ ڈاکٹر مہر علی نے ۱۸۷۱ء کی مردم شماری کے مدیر H.Beverly کے اس خیال پر تنقید کی ہے کہ اسلام پسماندہ اقوام میں پھیلا۔ ڈاکٹر مہر علی کا خیال ہے کہ اسلام پسماندہ اور بڑی ذات سب میں یکساں پھیلا۔ جس طرح چھوٹی ذاتوں کے افراد نے اسلام قبول کیا، اسی طرح بڑی ذات کے لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ چنانچہ بنگال کے اولین مسلمان برہمن تھے۔ نیز وہاں آج بھی ہندوؤں میں چھوٹی ذاتیں بکثرت موجود ہیں (۱۱) اگر چھوٹی ذات کا ہونا اسلام لانے کا سبب ہوتا تو یہ ذاتیں بالکل ہی ختم ہوگئیں ہوتیں۔

بعض مسلمان صوفیہ نے بھی اس جبریہ نظام کو محسوس کیا جس کی تفصیل صوفیہ کی مساعی کے ذیل میں آئے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہندستان میں اسلام کی اشاعت ایک مسلسل عمل ہے۔ جس میں مختلف ادوار میں مختلف افراد اور گروہوں کی کوششیں رہی ہیں۔ یہ کاوشیں ابتداءِ عہد اسلامی سے جاری ہیں اور ان کا سلسلہ ہنوز قائم ہے۔ اشاعتِ اسلام میں جبر کا عنصر نہیں ہے۔ مسلمان حکمرانوں نے اپنے عہد حکومت میں بسا اوقات اپنی رعایا کے ساتھ جبر اور ظلم کا رویہ اختیار کیا۔ لیکن یہ مظالم کسی مذہبی تعصب کی وجہ سے نہیں کیے گئے اور نہ ہی اشاعتِ اسلام کے لیے۔ اس کا اعتراف مؤرخین کرتے ہیں، بلکہ اپنی کتاب The Khiljis میں K.S.Lal جیسے متعصب مصنف نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ان سلاطین نے اگر کسی پر ظلم کیا ہے تو مذہب کے زیر اثر نہیں بلکہ اپنی حکومت کی پالیسی اور اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے کیا اور اس کا شکار جس طرح ہندو ہوئے، اسی طرح مسلمان بھی ہوئے۔ ان کی طرف منسوب کسی ظلم یا زیادتی کو اسلام یا اشاعت اسلام سے جوڑنا درست نہیں۔

جس طرح مسلمانوں میں اشاعت اسلام کے لیے کوششیں ہوتی رہی ہیں، اس کے ساتھ

ہندوؤں میں ایک طبقہ ایسا بھی رہا جو اشاعت اسلام کو روکنے میں مصروف رہا۔اس کی کاوشیں متعدد سطح پر ہوئیں۔ایک طبقاتی نظام کو مضبوط کرنا، دوسرے مسلمانوں سے سماجی تعلقات منقطع کرنا، تیسرے اسلامی تعلیمات کو ہندو روایات میں ملفوف کر کے ہندوؤں کے سامنے پیش کرنا وغیرہ۔

برصغیر میں اشاعت اسلام کا موضوع نہایت اہم ہے۔لیکن اس سلسلہ میں تاریخی مواد بہت کم ہے،اس کے متعدد اسباب ہیں۔

۱- عہد وسطیٰ کی تاریخی کتابیں بالعموم سلاطین اور خاص طور پر ان کے جنگی کارناموں کی تاریخیں ہوتی ہیں، سماجی تبدیلیاں اور مذہبی افکار ان کا موضوع نہیں ہیں۔

۲- عہد وسطیٰ کے مؤرخین میں ایسے بھی گزرے ہیں جو اشاعت اسلام کو پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ چاہتے تھے کہ ہر مذہب کا ماننے والا اپنے مذہب کے دائرہ میں رہے اور ہر پیشہ ور اپنے پیشہ سے وابستہ رہے۔جیسے مولانا سیّد ضیاء الدین برنی۔

۳- عہد وسطیٰ میں اشاعت اسلام اہم موضوع نہیں تھا۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد اسباب ہیں جن کی وجہ سے تاریخ کا یہ روشن باب مطلوبہ تفصیلات کے فقدان کا شکار ہو گیا۔

اس سلسلہ کی جو تفصیلات مجھے دستیاب ہوسکیں ان کے بنیادی مراجع میں ایک حصہ تو تاریخ کی کتابوں کا ہے۔تاریخ کی کتابوں میں بعض مقامات پر ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے ہندستان میں اشاعت اسلام کے بارے میں ہونے والی مساعی کا علم ہوتا ہے۔مثلاً فتوح البلدان میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہندستانی راجاؤں کے نام خط لکھنے اور ان میں سے بعض کے مسلمان ہونے کا تذکرہ ہے۔اسی طرح چچ نامہ میں متعدد شخصیات کے مسلمان ہونے اور محمد بن قاسم کی مساعی کا تذکرہ ہے۔اسی طرح دیگر فارسی تاریخوں جیسے تاریخ فرشتہ اور عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں بھی بعض واقعات کا تذکرہ ہے۔تزک جہانگیری میں جہانگیر نے، مآثر الامراء میں صمصام الدولہ نے اور منتخب اللباب میں خافی خاں نے بھی بعض واقعات ذکر کیے ہیں۔اسی طرح بعض اور تاریخوں میں بھی کہیں براہ راست اور کہیں صرف اختصار کے ساتھ اس سلسلے میں مواد ملتا ہے۔

تاریخ کے علاوہ سب سے اہم مرجع علماء اور صوفیہ کے تذکرے ہیں۔علماء اور صوفیہ

کے تذکروں میں نسبتاً تفصیلی ذکر ہے۔ بعض صوفیہ کے حالات میں صراحت ہے کہ انہوں نے کس طرح اسلام کی اشاعت کی اور اس کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کیے اور ان کے ہاتھ پر کتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا یا ان کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ اس طرح کے تذکروں میں بالعموم قابل اعتماد مراجع کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ان میں سرفہرست امیر خورد کرمانی کی اہم تصنیف سیر الاولیاء ہے۔ اس کے علاوہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اخبارالاخیار داراشکوہ کی سفینۃ الاولیاء، غلام سرور کی خزینۃ الاصفیاء اور محمد غوثی شطاری کی گلزار ابرار وغیرہ ہیں۔

تذکروں کے علاوہ ملفوظاتی کتابوں میں بھی بعض بڑی اہم معلومات ہیں۔ ان میں کوشش کی گئی ہے کہ اولین اور معتبر مراجع سے ہی استفادہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں فوائد الفواد، جوامع الکلم (خواجہ بندہ نواز گیسودراز)، ملفوظات عزیزی، خیر المجالس اور فخر الطالبین (شاہ فخر الدین دہلوی کے ملفوظات) کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

ملفوظاتی مراجع میں بعض کتابیں غیر مستند ہیں۔ جیسے افضل الفواد۔ اس طرح کی کتابوں سے احتراز کیا گیا ہے۔ البتہ اگر کوئی واقعہ کسی مستند مرجع میں ہو اور اس کی بعض تفصیلات کسی غیر مستند مرجع سے لی گئی ہوں تو ان کی صراحت کردی گئی ہے غیر مستند مراجع میں بھی سب کچھ غیر مستند نہیں ہوتا۔ اگر کوئی روایت کہیں اور ہو تو اس کی تفصیلات وہاں سے بھی اخذ کی جاسکتی ہیں۔

ملفوظاتی ذخیرے کے علاوہ مکتوبات کا ذخیرہ بھی بہت اہم ہے۔ اس سے بھی تاریخی واقعات پر اور اشاعت اسلام کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔ مکتوبات میں سب سے زیادہ تفصیلات شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کے خطوط میں ہیں۔ اس کے علاوہ شیخ یحیٰ منیری کی مکتوبات صدی میں بھی بعض چیزیں ملتی ہیں۔

علماء کے تذکرے میں مولانا اطہر مبارکپوری کی رجال السند والہند، اور مولانا عبدالحئی کی نزہۃ الخواطر اہم کتابوں میں شامل ہے۔

ان بنیادی مراجع کے علاوہ بعض ثانوی مراجع بھی پیش نظر رہے ہیں، جن میں اہم حسب ذیل ہیں:

۱- آرنلڈ : دعوت اسلام (The Preaching of Islam) کا اردو ترجمہ
۲- شیخ اسمٰعیل پانی پتی : تاریخ اشاعت اسلام، لاہور

۳- اشتیاق حسین قریشی : برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ، ادارہ ثقافت اسلامی لاہور
۴- عابد علی وجدی : ہندستان اسلام کے سایے میں، بھوپال
۵- شیخ اکرام : آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور
۶- " : رودکوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور
۷- " : موج کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور
۸- ابوظفر ندوی : تاریخ سندھ، دارالمصنّفین، اعظم گڑھ

ہندستان میں اشاعتِ اسلام کی کاوشوں کو اگر تاریخی ترتیب سے دیکھا جائے تو سب سے قدیم تاجروں کی کاوشیں ہیں۔ علماء اور سلاطین کا زمانہ تقریباً ایک ہے، فتح سندھ کے ساتھ ہی جس طرح مسلمان یہاں حکمراں ہوئے اسی کے ساتھ علماء کی بڑی تعداد بھی یہاں پہنچی اور انھوں نے تبلیغ واشاعت کا کام انجام دیا۔ مقامی زبان میں اسلامی تعلیمات پر کتابیں لکھیں، قرآن کا ترجمہ کیا اور ان کوششوں سے مقامی آبادی نے اسلام قبول کیا۔ اس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

صوفیہ کی مساعی کا آغاز پانچویں صدی ہجری میں ہوتا ہے، لیکن ان کی خدمات کی اہمیت اور اشاعتِ اسلام کے لیے جدوجہد تاریخ ہند کا روشن ترین باب ہے۔ اسلام کو متعارف کرانے میں سب سے زیادہ کردار انھی صوفیہ کرام کا رہا ہے۔ اس لیے کتاب کی ترتیب میں خدمات کی اہمیت کے پیش نظر سب سے پہلے صوفیہ کا ذکر کیا ہے۔ پھر علماء اور سلاطین کا اور آخر میں تاجروں کی مساعی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس ترتیب میں تاریخی ترتیب ملحوظ نہیں ہے۔

ہندستان میں اشاعت اسلام کی تاریخ پر روشنی ڈالنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی آمد کے وقت ہندستان کے سیاسی، سماجی اور مذہبی حالات، نیز اسلامی عہد میں ہندستان کی تاریخ پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے تاکہ قاری کے سامنے حالات کا ایک اجمالی خاکہ موجود رہے۔

ہندستان میں اسلام

ہندستان ایک عظیم ملک ہے۔ یہاں مختلف تہذیب وتمدن اور متعدد مذاہب اور متعدد لسانی اکائیوں کی قومیں رہتی ہیں۔ ان میں بعض مذاہب ہندی الاصل ہیں اور بعض ایسے ہیں، جن کی ابتدا ہندستان سے باہر ہوئی اور یہاں مہاجرت اور اشاعت کے ذریعہ پھیلے۔ ہندستان دو بڑے مذہب ''بدھ مذہب اور جین مذہب'' کی جائے پیدائش بھی ہے۔

نسلی اکائیوں میں یہاں قدیم ترین آبادی میں دراوڑ قوم کا سراغ ملتا ہے۔اس کے بعد آریہ، ھن اور بعض دیگر اقوام یہاں آئیں۔ان کے بعد یونانی، ترک، ایرانی اور عرب نیز افریقہ کے لوگ بھی یہاں آکر آباد ہوئے اور سب سے آخر میں یورپ کی قومیں یہاں آئیں، اگرچہ ان کا حصہ یہاں کی قومی تشکیل میں بہت زیادہ نہیں ہے۔

بیرونی مذاہب میں یہاں عیسائیت کو مقبولیت حاصل ہوئی، لیکن سب سے زیادہ قبولیت اسلام کو ملی اور ہندستان کے ایک بڑے طبقہ نے اسلام قبول کرلیا۔آج متحدہ برصغیر کی آبادی کا ایک بڑا حصہ اسلام کا پیرو ہے۔

اسلام یہاں ابتداءً ان عرب تاجروں کے ذریعہ آیا، جن کی تجارت مدتوں سے گجرات اور مالابار کے ساحلوں نیز مدراس سے ہوتی تھی بلکہ مدراس اور کشمیر کے راستہ چین تک سے ان کے تجارتی روابط تھے۔عربوں اور ایرانیوں کے ان علاقوں سے تجارتی تعلقات اسلام کی آمد سے قبل ہی سے تھے۔اسلام کی آمد کے بعد ان میں مزید وسعت ہوئی۔اس وقت ان کی تجارت، مالوہ اور قنوج تک وسیع ہوگئی۔

یہ مسلمان تاجر صرف مسافر نہیں ہوتے تھے کہ ان کے قافلے آتے ہوں اور پھر چلے جاتے ہوں، بلکہ یہاں ان تاجروں کی مستقل آبادیاں بھی تھیں اور تجارت کے علاوہ وہ مختلف ملازمتوں سے بھی وابستہ تھے اور بعض بڑے سرکاری عہدوں پر فائز تھے۔

اسلام کی اشاعت کے حوالے سے ابتدائی صدیوں میں ان تاجروں کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، لیکن اسلام کی اشاعت کے لیے ایک اور واقعہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے، جس نے اس سرزمین پر دوررس اور دیرپا اثرات مرتسم کیے۔وہ واقعہ یہ ہے کہ عالم اسلام میں سیاسی انتشار کے شکار بہت سے لوگوں نے سندھ میں سیاسی پناہ حاصل کی۔بلکہ سندھ عملاً عرب سیاسی مہاجروں کی پناہ گاہ بن گیا۔اسی طرح کے ایک قافلے کا ذکر اس وقت ملتا ہے جب راجہ داہر کی حکومت نئی نئی قائم ہوئی تھی اور راجہ کو مختلف بغاوتوں کا سامنا تھا۔ان میں ایک بغاوت راجہ رَمل نے کی تھی۔اس وقت پانسو مسلمانوں نے وہاں پناہ حاصل کی۔راجہ نے ان سے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے مشورہ کیا اور محض ان کے مشورہ اور تعاون سے وہ بغاوت ختم ہوگئی۔اس طرح ان مسلمانوں کو راجہ کے دربار میں ایک اہم مقام حاصل ہوگیا۔

سندھ پر عربوں کا حملہ ایک تو ان عرب قیدیوں کو چھڑانے کے لیے تھا جو لنکا سے عرب جاتے ہوئے سندھ کے پاس قید کر لیے گئے تھے، ساتھ ہی اس حملہ کا ایک مقصد اسی طرح کے سیاسی پناہ گزینوں کو سزا دینا بھی تھا۔

سندھ پر عربوں کے اس حملہ کے نتیجے میں یہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی اور یہ علاقہ ہمیشہ مسلمانوں کے زیرنگیں رہا۔

سندھ کے علاوہ کشمیر اور مدراس کی اہمیت اس وجہ سے بھی تھی کہ یہ علاقے چین کے ساتھ عربوں کی تجارت کے لیے گزرگاہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ مسلمان یہاں سے مستقل گزرتے تھے اور وہ یہاں آباد بھی تھے۔

سندھ ابتداءً بغداد کے ماتحت تھا لیکن وہ بہت جلد خودمختار ہو گیا۔ اور پھر رفتہ رفتہ یہاں تین عرب حکومتیں قائم ہوگئیں، جو بتدریج اسلام سے ہٹ کر قرامطہ اور اسماعیلیہ فرقوں کے افراد کے ہاتھوں میں چلی گئیں۔

بغداد کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ترک حکومتوں کا آغاز ہوا، جن میں غزنی کی حکومت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

غزنی کی ترک حکومت پر لاہور کے حکمراں جے پال نے حملہ کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں ایک آویزش کا آغاز ہوا جو ہندستان کی تاریخ میں ایک نئے عہد کا آغاز ثابت ہوا۔ غزنی کے حکمراں ناصر الدین سبکتگین نے جے پال کو شکست دے کر لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے جانشین محمود غزنوی نے گجرات اور بلند شہر (برن) کو فتح کیا۔ اس کے جانشین مسعود غزنوی نے کشمیر فتح کیا۔ اگرچہ ان کی حکومت اس پورے علاقہ پر نہیں تھی لیکن ان کے اثرات بہرحال قائم تھے اور بلند شہر کے راجہ ہردت کے اسلام قبول کرنے کے بعد یہاں اسلام کے لیے فضا بھی سازگار ہوگئی تھی۔

غزنی کے زوال کے بعد غوری حکومت کا عروج ہوا اور شہاب الدین غوری نے ۱۱۹۳ء میں دہلی فتح کر کے ایک نئی حکومت کی بنیاد ڈالی جو تاریخ میں ''دہلی سلطنت'' کے نام سے معروف ہے۔ یہ حکومت کم وبیش تین سو سال تک قائم رہی اور اس میں متعدد خانوادوں جیسے غلاموں، خلجی، تغلق، سید اور لودھیوں نے حکومت کی۔ ہندستان کے دو عظیم بادشاہ غیاث الدین بلبن اور علاء الدین خلجی اسی عہد میں حکمراں ہوئے۔

اس پورے عرصے میں دہلی کو مرکزیت حاصل رہی، ساتھ ہی بہت سی خود مختار حکومتیں بھی قائم ہوئیں، جو دہلی سلطنت کے برائے نام ماتحت تھیں یا بالکل نہیں تھیں ان میں بنگال، جون پور، گجرات، کشمیر اور دکن کی حکومتیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۵۲۷ میں بابر نے ہندستان فتح کیا اور سلطنت مغلیہ کی بنیاد رکھی۔ یہ سلطنت آگے چل کر متحدہ ہندستان کی علامت بن گئی۔ مغلوں کے ماتحت تقریباً پورا ہندستان ایک ملک بن گیا اور خود مختار ریاستیں بھی بہ تدریج اسی کا حصہ بن گئیں۔

مغل سلطنت میں متعدد بڑے بادشاہ گزرے، خاص طور پر ہمایوں، اکبر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب ایسے حکمراں ہیں جن کو تاریخ کی عظیم شخصیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغل سلطنت کم زور ہوتی گئی اور ۱۷۶۵ء میں بکسر کے میدان میں انگریزوں کے مقابلے میں شکست سے دوچار ہونے کے بعد اس کا دبدبہ بھی ختم ہونے لگا۔ اگرچہ اس کے بعد بھی مزید سو سال مغل حکومت قائم رہی لیکن وہ برائے نام ہی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ ظفر کے گرفتار ہو جانے کے بعد وہ نام بھی ختم ہو گیا۔

مغلوں کے بعد ہندستان میں انگریزوں کے ماتحت متعدد دیسی ریاستیں قائم ہوئیں۔ ان میں حیدر آباد، بھوپال، رام پور خاص طور قابلِ ذکر ہیں۔

ہندستان میں ملت اسلامیہ کی تشکیل کا عمل اس پورے دور کو محیط ہے۔ تاجروں سے لے کر دورِ زوال کی دیسی ریاستوں تک سب نے اس میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ ابتداء میں عرب تاجروں اور عرب فاتحین نے دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیا۔ اس کے بعد ترک فاتحین، علما اور صوفیہ نے دعوت کا فریضہ انجام دیا۔

عہد وسطیٰ میں صوفیہ کی خدمات اہم ہیں۔ اسی طرح دورِ زوال میں علما کی بے مثال خدمات ہیں۔ انھی کے ساتھ ساتھ ہمیں ان اسماعیلی داعیوں کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے جنھوں نے دوسری اور تیسری صدی میں دعوت کے میدان میں زبردست خدمات انجام دیں۔ ہندستان کی مقامی آبادی خاص طور پر بدھ آبادی کا ایک بڑا طبقہ ان کی دعوت سے اسلام کا متبع بن گیا۔ اگرچہ ابتداءً یہ اسماعیلی بنے لیکن بعد میں بہ تدریج سنی مسلمان بن گئے۔

۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کو محسوس ہوا کہ وہ نہ صرف سیاسی بلکہ مذہبی خطرات سے بھی

دوچار ہیں۔ایک طرف عیسائی مشنریاں ہیں، دوسری طرف آریہ سماجی مناظر ہیں، تیسری طرف خود مسلمان دین سے بے بہرہ ہیں۔ان حالات میں علمانے بڑی زبردست جدوجہد کی، مناظروں کا جواب دیا، مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا اور برادرانِ وطن کو دعوت اسلام دی۔جس کے زبردست نتائج برآمد ہوئے۔گویا علما کی یہ کاوشیں برصغیر میں اسلام کے احیا اوراس کے بقا کی ضامن بن گئیں۔

ہندستان میں ملت اسلامیہ کی تشکیل کا یہ ایک مختصر جائزہ تھا۔اگلے صفحات میں دراصل اسی کی تشریح اور تفصیل ہے۔اس میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس طرح مختلف طبقات خاص طور سے حکمراں، علماء، صوفیہ اور تاجروں نے اسلام کی اشاعت اور برصغیر کی ملت اسلامیہ کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کیا۔

صوفیہ کی تبلیغی خدمات

تمہید

برصغیر ہند میں اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں صوفیہ کی گراں قدر خدمات رہی ہیں۔ انہوں نے اسلام کو ہر طبقے اور گروہ میں روشناس کرایا۔ کہیں اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ بن کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، کہیں سماجی ورفاہی کاموں کے ذریعہ لوگوں کے دل جیتے اور کہیں ہر ایک کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کر کے پسماندہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔

برصغیر ہند میں صوفیہ کی جدوجہد کا آغاز پانچویں صدی ہجری سے ہوتا ہے۔ اس وقت ہندستان کے مختلف علاقوں میں خاصے مسلمان آباد تھے۔ سندھ اسلامی قلمرو کا حصہ تھا۔ پنجاب، کشمیر، مالا بار، مدراس، ممبئی اور شمالی ہند کے اندرونی علاقوں جیسے قنوج، بنارس، بدایوں وغیرہ میں بھی مسلمان آباد تھے۔ سواحلی شہروں اور مالوہ کے علاقے میں ان کی بڑی بڑی بستیاں تھیں۔ ہر جگہ مساجد تھیں۔ اکثر مقامات پر جمعہ کا اہتمام ہوتا تھا۔ مسلمانوں کا اپنا مذہبی نظام تھا۔ مقامی راجہ کی طرف سے ہر ریاست میں مسلمانوں کے امور کا ایک نگراں ہوتا تھا، جو ہنرمن (ہنرمند) کہلاتا تھا۔[۱۲] لاہور کا شمار اسلامی شہروں میں ہونے لگا تھا۔ علامہ سمعانی نے دسویں صدی میں اس کو کثیر الخیر اور بابرکت شہر لکھا ہے۔ مالوہ کے بعض شہروں میں مسلمانوں کی تعداد دس ہزار تک تھی، جیسا کہ مسعودی نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ قنوج میں مسلمانوں کا ایک محلّہ تھا۔ بنارس میں ان کی خاصی آبادی تھی، بلکہ بنارس کے راجہ کی فوج میں کافی مسلمان شامل تھے۔ ابن اثیر نے اس کا تذکرہ اپنی معرکہ آرا تصنیف ''الکامل فی التاریخ'' میں کیا ہے۔[۱۳]

بدایوں، بہرائچ، اجمیر، بلند شہر اور بلگرام میں بھی مسلمانوں کی موجودگی کے شواہد موجود ہیں، جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

ہندستان میں جب صوفیہ کی مساعی کا آغاز ہوا تو اس وقت اسلام کوئی اجنبی دین نہیں تھا۔ یہاں کے باشندے اسلام سے واقف تھے۔ ہر علاقے میں مسلمان یا تو موجود تھے یا ان کی آمد و رفت تھی۔ گویا ایسے حالات تھے کہ نہ صوفیہ یہاں کے ماحول کے لیے اجنبی تھے اور نہ دعوت اسلامی نئی چیز تھی۔ صوفیہ کی دعوت کو پہلے سے جاری دعوت اور علماء کی مساعی کا تسلسل سمجھنا چاہیے۔

صوفیہ کا طریق تبلیغ

صوفیہ کے طریق تبلیغ متعدد رہے ہیں۔ بعض صوفیہ نے باضابطہ اسلام کی دعوت دی، بعض نے اصلاح باطن کو اولیت دی اور رسمی تبدیلی مذہب پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ ایسے صوفیہ غیر مسلموں کو بھی اپنے حلقہ ارادت میں داخل کرتے تھے اور ان کی اسی طرح اصلاح کیا کرتے تھے جس طرح مسلمانوں کی، ان کا عندیہ یہ تھا کہ ذکر الٰہی خود ایک نور ہے اور اس کی برکت سے دل خود بخود اسلام کی طرف مائل ہو جائے گا۔ چنانچہ شیخ کلیم اللہؒ جہاں آبادی نے ایک جگہ لکھا ہے:

> صلح با ہندو و مسلمان سازند ہر کہ ازیں دو فرقہ کہ اعتقاد بشماداشتہ باشند ذکر و فکر و مراقبہ و تعلیم اورا بگویند کہ ذکر بہ خاصیت خود اورا بہ ربقۂ اسلام خواہد کشید۔(۱۴)
>
> ''ہندو اور مسلمانوں کے ساتھ صلح کا رویہ اختیار کریں ان دونوں فرقوں میں سے جو بھی آپ کے ساتھ اعتقاد رکھے اس کو ذکر و فکر و مراقبہ اور تعلیم دیں، چونکہ ذکر اپنی خاصیت سے خود ہی اس کو اسلام کے دائرہ میں کھینچ لائے گا۔''
>
> نافع السالکین میں شیخ کا یہی مسلک لکھا ہے۔
>
> حضرت قبلہ من قدس سرہ فرمودند کہ سر طریق ما ہست کہ بامسلمان و ہندو صلح باید داشت۔(۱۵)

''میرے مرشد نے فرمایا کہ ہمارے طریقہ کا راز یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان کے ساتھ صلح کا معاملہ رکھیں۔''

ایسے صوفیہ کرام نے رسمی تبدیلی کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ ان کا خیال تھا کہ ذکر کی تلقین سب سے مقدم ہے۔ اگر کسی نے ذکر شروع کر دیا تو یقین ہے کہ خدا کے نام کی برکت سے وہ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہو جائے گا شاہ فخر الدین نے لکھا ہے:

> مارا چناں معلوم است کہ از تعلیم نام خدائے عزوجل

کوتاہی نباید کردو دربنداین نباشد کہ اول مسلمان شود بعد چیزے شغل کند نام خدا را اثرہا است خود بخود بطرف خدا خواہد کشید۔[(۱۶)]

''ہم کوصرف یہ معلوم ہے کہ خدا کے نام کی تبلیغ سے کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔اوراس فکر میں زیادہ نہیں رہنا چاہیے کہ پہلے اسلام قبول کریں پھر کوئی شغل یاذکر کی تلقین کریں۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے اثرات ہیں جوخود بخود خدا کی طرف کھینچ لیتے ہیں۔''

صوفیہ کا یہ عمل غالباً ان کے طویل تبلیغی تجربہ کا ثمرہ تھا۔شیخ نظام الدین اولیاء نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس قوم (ہندوؤں) پر کہنے کا اثر نہیں ہوتا، ہاں اگر کسی صالح مرد کی صحبت میں آیا جایا کریں تو اس کی برکت سے مسلمان ہو سکتے ہیں۔[(۱۷)] عجب نہیں کہ تلقین ذکر، صحبت صالح کے متبادل کے طور پر شروع کی گئی ہو۔

صوفیہ کے ذریعہ اسلامی مساوات کا جو عملی مظاہرہ ہوا اُس نے بھی کچھ لوگوں کو اسلام کے قریب کیا ہوگا۔خاص طور پر ایسے حالات میں جب ایک طرف بدھ اس سماجی مساوات کو قائم کرنے کے لیے کوشاں تھے اور دوسری طرف برہمن عدم مساوات کو جبریہ نافذ کرنا چاہتے تھے۔ گیارہویں صدی کی ایک سنسکرت کتاب جس کے مصنف ایک بدھ عالم تھے، اس میں مسلمانوں کے تصورِ مساوات کی بڑی تحسین کی گئی ہے۔اس کے ایک اشلوک کا ترجمہ یہ ہے:

''ذات پات کے امتیاز آہستہ آہستہ غائب ہوجائیں گے، کیونکہ ہر ہندو خاندان میں ایک مسلمان موجود ہے۔''[(۱۸)]

صوفیہ کرام کا ایک اسلوبِ دعوت یہ بھی تھا کہ وہ افہام و تفہیم یا دعوت و ارشاد کے مقابلہ میں خرق عادت کا بھی سہارا لیتے تھے۔غالباً اس کی ضرورت سادھوؤں اور جوگیوں کے مقابلہ میں پیش آئی ہوگی۔ چناں چہ بہت سے جوگیوں کے مقابلہ میں صوفیہ نے بھی اسی طرح کے اعمال کر کے دکھائے۔اسی طرح ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ کہیں دیو کو ماردیا اور اس سے لوگوں کو نجات دلائی وغیرہ۔ اگرچہ ایسے واقعات کا پایہ استناد محتاج دلیل ہوتا ہے لیکن ان کی معنویت سے کلی انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔[(۱۹)]

صوفیہ کرام لوگوں کو ذکر کی برکت یا فیض صحبت یا دعوت کے ذریعہ اسلام کے قریب کرتے تھے۔جس سے بہت سے افراد اسلام کے حلقہ بگوش ہوجاتے تھے۔بعض اوقات ایسا بھی

ہوتا تھا کہ لوگ اسلام کی حقانیت کے قائل ہو جاتے، لیکن مختلف خارجی اثرات کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کرتے تھے۔ صوفیہ کرام کو ان لوگوں کی مجبوریوں کا شعور تھا۔ چنانچہ شیخ نظام الدین اولیاء نے ایک مرتبہ فرمایا ہے:

''بعض ہندوؤں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اسلام سچا دین ہے، لیکن پھر بھی اسلام قبول نہیں کرتے۔''(۲۰)

بعض لوگ جو خفیہ ایمان لے آتے تھے اور اپنے خاندان میں اپنے اسلام کا اظہار نہیں کرتے تھے، ایسے اصحاب کے بارے میں صوفیہ کا خیال تھا کہ ان کو اپنے اسلام کا اظہار کرنا چاہیے، اس کے بغیر ان کا اسلام معتبر نہیں مانا جائے گا۔ فوائد الفواد میں ہے:

''حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ جو ہندو کلمہ پڑھے اور اللہ تعالیٰ کو ایک جانے اور پیغمبر خدا ﷺ کی رسالت کا قائل ہو، لیکن جب مسلمان آئیں تو چپ ہو جائے۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟ خواجہ نے فرمایا کہ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے، خواہ اسے بخشے خواہ عذاب دے۔(۲۱)

صوفیہ کرام کی کوشش ہوتی تھی کہ جو شخص مسلمان ہو جائے وہ اپنے اسلام کا اظہار بھی کرے، اسلام کا یہ اظہار صوفیہ کی نظر میں بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ شیخ کلیم اللہؒ جہاں آبادی نے ایک خط میں اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

دیگر مرقوم بود، بھیادیا رام و ہندو ہائے دیگر بسیار در ربقۂ اسلام درآمده اند امابامردم قبیله پوشیده می مانند برادرمن اہتمام نمایند که آهسته آهسته این امر جلیل از بطون به اظہار انجامد۔(۲۲)

''آپ نے مزید لکھا تھا کہ بھیا دیا رام اور دوسرے بہت سے ہندو اسلام کے دائرہ میں داخل ہو چکے ہیں، لیکن اپنے قبیلہ کے لوگوں سے اس کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔ میرے بھائی اس کا اہتمام کریں کہ آہستہ آہستہ یہ عظیم الشان کام ظاہر ہو جائے۔''

بایں ہمہ صوفیہ کے ایسے بہت سے مرید تھے جو مسلمان ہونے کے باوجود اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر پاتے تھے۔ شیخ کلیم اللہ کے ایک ہندو مرید کا تذکرہ فخر الطالبین میں ہے جو مسلمان ہو گیا تھا لیکن اظہار نہیں کرتا تھا۔ اور بھی بعض مریدوں کا ذکر ہے جو چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔(۲۳)
شاہ عبدالعزیز نے اُتم چند نام کے ایک ہندو کا تذکرہ کیا ہے جو مسلمان ہو گیا تھا لیکن اسلام کا اظہار نہیں کر پاتا تھا۔(۲۴)

اسلام کے اظہار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ذات پات کا نظام تھا۔ صوفیہ کرام کو اس کا احساس تھا اور انہوں نے اس کو نرم کرنے کی کوشش بھی کی جس کے کسی قدر فوائد بھی ظاہر ہوئے۔

بحیثیت مجموعی صوفیہ نے اشاعت اسلام میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ خاص طور پر عہد وسطی میں اشاعت اسلام کی کاوش زیادہ تر صوفیہ کی مرہون منت رہی ہے۔ بلکہ صوفیہ میں بعض ایسے بھی ہوئے جن کی فکر کا محور دعوت دین ہی تھا۔ چنانچہ آگے اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ یہاں صرف دو اقتباس بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں۔ شیخ کلیم اللہؒ نے اپنے ایک مرید کو لکھا:

> دریں باب (دعوت) جہاد نمایند وایں کارسہل نہ انگارند و منتشر در معمورہ عالم سازند کہ رضائے الٰہی دریں است و مفاسد فرزندان آدم دورنمایند کہ انبیاء مبعوث برائے ہمیں کاربودہ اند۔(۲۵)
>
> ''اس (دعوت) سلسلہ میں کوشش کرنی چاہیے اور اس کام کو آسان نہ سمجھنا چاہیے اور اس کی اشاعت پورے معمورہ عالم میں کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اسی میں ہے۔ اور آدم کی اولاد کے مفاسد کو دور کرنا چاہیے کہ انبیاء اسی کام کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔''

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

> بہ ہر حال دراعلائے کلمۃ الحق کوشید واز شرق تا غرب ہمہ اسلام حقیقی بر کنید۔(۲۶)
>
> ''ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے کوشش کریں اور مشرق سے مغرب تک ہر جگہ حقیقی اسلام کو قائم کریں۔''

بعض مصنّفین نے صوفیہ کی تبلیغی مساعی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ تصوف میں کفر و اسلام کے درمیان تفریق نہیں ہوتی، اس لیے وہ کسی کو اسلام کی دعوت بھی نہیں دیتے۔ لیکن یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ عام طور پر صوفیہ کفر و اسلام میں تفریق کرتے رہے ہیں۔ اور انھوں نے دعوت و تبلیغ کی اہمیت کو ہمیشہ مبرھن کیا ہے۔ حضرات چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کی واضح تحریریں موجود ہیں کہ اسلام کی دعوت دینا کارِ عظیم ہے اور تصوف کے سیر و سلوک کے مراحل طے کرنے کے بعد صوفی کو کارِ دعوت میں مشغول ہو جانا چاہیے۔ تاہم بعض صوفیہ کے ایسے اقوال ملتے ہیں جن میں کفر و اسلام کی دوئی کا انکار ہوتا ہے، لیکن ایسے صوفیہ بہت کم ہیں۔ بعض سلسلے یقیناً ایسے بھی رہے

ہیں جیسے شطاریہ، شاذلیہ وغیرہ جن میں دعوت کی کماحقہ پذیرائی نہیں ہے۔ لیکن ان سلسلوں کو زیادہ مقبولیت بھی حاصل نہیں ہوئی۔ اور شاذلیہ میں تو دعوت کا کلی انکار بھی نہیں ہے۔ مثلاً شیخ عبدالوہاب متقی شاذلی سے کسی نے دریافت کیا کہ:

طریقِ دعوت که بعضے درویشاں می کنند چه حکم دارد از طریق وصول ہست یانه۔

''دعوت کا طریقہ جس پر بعض صوفیہ عمل پیرا ہیں اس کا کیا حکم ہے۔ وہ وصول کا طریقہ ہے یا نہیں۔''

عبدالوہاب شاذلی نے جواب دیا:

شاید باشد(۲۷)

امید ہے کہ وہ (وصول کا طریقہ) ہے۔

صوفیہ کی داعیانہ کاوشیں

شیخ علی ہجویری (۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء)

صوفیہ کی مساعی کا آغاز شیخ علی ہجویری کے ورود ہند سے ہوتا ہے۔ شیخ علی ہجویری جو داتا گنج بخش کے نام سے معروف ہیں وہ سلطان مسعود غزنوی کے آخر عہد میں لاہور تشریف لائے۔ لاہور میں آپ نے تبلیغ اسلام کے لیے کوششیں کیں۔ لاہور اس وقت اسلامی قلمرو کا حصہ تھا۔ لیکن حاکم اس وقت بھی ہندو ہی تھا۔ شیخ ہجویری کی تلقین سے وہ حاکم جس کا نام رائے راجو تھا مسلمان ہوگیا اور شیخ ہندی کے لقب سے مشہور ہوا۔[۲۸]

شیخ علی ہجویری ایک بلند پایہ صوفی اور مصنف تھے۔ ان کی کتاب کشف المحجوب تصوف کی ابتدائی کتب میں شمار کی جاتی ہے اور فارسی میں تصوف کی پہلی باضابطہ تصنیف ہے۔ لاہور اور اطراف میں آپ کے فیوض و برکات کا سلسلہ جاری رہا۔ لاہور کے گردونواح میں آپ کی تبلیغی مساعی کے اثرات پڑے۔ شیخ کا انتقال ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء میں ہوا۔[۲۹]

شاہ عبداللہ (۴۴۱ھ/۱۰۵۰ء کے بعد)

شاہ عبداللہ چنگال خراسان کے رہنے والے تھے۔ ۴۴۱ھ/۱۰۵۰ء میں دھارنگری تشریف لائے۔ دھار میں اس وقت راجہ بھوج دوم کی حکومت تھی۔ اس پورے علاقہ (مالوہ) میں مسلمانوں کی موجودگی اور مقامی راجاؤں کے حسن سلوک کا تذکرہ مسعودی نے بھی کیا۔ راجہ بلہرا جس کا مسعودی نے اکثر ذکر کیا ہے، مالوہ کے اسی علاقے کا حکمراں تھا۔

شاہ عبداللہ کی آمد سے کچھ پہلے دھارنگری میں یہ واقعہ پیش آیا کہ مسلمانوں کی ایک

جمعیت کسی سفر میں دھار کے قریب فروکش ہوئی۔ مقامی ہندوؤں نے ان پر علی الصباح حملہ کر کے سب کو قتل کر ڈالا۔ (۳۰)

ہندوؤں کے اس حملہ کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس سے کچھ عرصہ قبل ہی سومناتھ کے مقام پر محمود غزنوی اور بعض ہندو راجاؤں میں زبردست معرکہ ہو چکا تھا۔ ممکن ہے اس علاقہ کے لوگ بھی اس معرکہ سے متاثر ہوئے ہوں۔

جو بھی سبب ہو بہرحال اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد شاہ عبداللہ دھارنگری تشریف لائے اور اشاعت اسلام کی جدوجہد کی۔ ان کی کاوشوں سے راجہ بھوج نے اسلام قبول کر لیا اور اس کے ساتھ متعدد اعیان سلطنت بھی مسلمان ہو گئے۔ راجہ بھوج کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ ان کا مزار ہنوز احاطہ شاہ چنگال میں موجود ہے۔ عابد علی وجدی نے اپنی کتاب ''ہندستان اسلام کے سائے میں'' میں تاریخ مالوہ اور ''دھارراج کا اتہاس'' نیز بعض دیگر کتابوں کے حوالہ سے اس کو بیان کیا ہے کہ دھار کا حکمران راجہ بھوج مسلمان ہو کر عبداللہ بھوجی کے نام سے معروف ہوا۔ (۳۱)

شاہ عبداللہ چنگال کی دھارنگری میں آمد ۴۴۱ھ/۱۰۵۰ء میں ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان کا مزار اور احاطہ کی عمارت شکستہ ہو گئی تھی۔ اس لیے سلطان ناصرالدین محمود خلجی نے ۸۵۹ھ/ ۱۴۵۵ء میں اس احاطہ کو دوبارہ تعمیر کروایا اور مزار کے احاطہ کے باہر ۴۲ اشعار کا ایک قصیدہ کندہ کروایا۔ اس قصیدہ میں شاہ عبداللہ کی تبلیغی مساعی کا ذکر ہے۔ اس کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں: (۳۲)

زقدمت او شده مرکز مسلماں — ہمه اعلام دیں او گشت منور
شنید ستم که پیش از وے تن چند — رسیده اندر ایں دیرینه اور
مؤذن چوں ندا از حنجره برخاست — یلے مستانه صوتے چوں دم صور
خروش خواسته ہر سو ز کفار — دویده ہر تن باتیغ وساطور
بکشتند آخرایں مردان کیں را — پس از کشتن بچاہے کرده مستور
کنوں آں مشہد گنج شہیداں — نشاں مانده ازاں پا کان مبرور
چوں وقت آمد که خورشید حقیقت — شود طالع دریں بلدائے بے حور
رسید ایں شیر مرد از مرکز دیں — دریں دیر کہن تا جمع جمہور
بزد برہم تماثیل و بتاں را — مصلی ساخته آں معبد زور
چوں رائے بھوج دیدش از فراست — مسلماں گشته بااہل ہمه شور

بنور شرع روشن گشت این قطر | رسوم شرک شد معدوم و مدحور
زہجرت ہشت صد پنجاہ ونہ بود | کہ تاریخش مجدد گشت مسطور

ترجمہ: ''ان کے (عبداللہ چنگال) آنے سے وہ مسلمانوں کا مرکز بن گیا اور دین کے تمام شعائر پھیل گئے۔ (جاری ہو گئے)۔

میں نے سنا ہے کہ ان سے کچھ پہلے چند لوگ اس پرانے دیار میں آئے۔
جب مؤذن نے حلق سے اذان کی آواز بلند کی، وہ ایسی مستانہ آواز تھی جیسے صور اسرافیل۔
کفار میں ہر طرف شور ہو گیا اور ہر آدمی تلوار لے کر حملہ آور ہوا۔
اور آخر ان مردوں کو قتل کر دیا اور قتل کر کے کنویں میں ڈال دیا۔
آج بھی ان شہداء کی شہادت گاہ ان نیک اور پاک لوگوں کے نشان کے بطور موجود ہے۔
جب وقت آیا کہ حقیقت کا سورج اس بلدہ بے حور میں ظاہر ہو۔
تو یہ شیر مرد اسلام کے مرکز سے اس پرانے بت خانے میں آیا۔
اس نے بت وتماثیل کو درہم برہم کر دیا اور برائی کے معبد کو عبادت خانہ بنا دیا۔
جب راجہ بھوج نے اس کو فراست کی نظر سے دیکھا تو تمام اہل دربار کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔
یہ علاقہ شریعت کے نور سے منور ہو گیا اور شرک کی رسوم معدوم ہو گئیں۔
۸۵۹ ہجری تھی جب یہ تاریخ از سر نو لکھی گئی (یعنی اس مزار کی دوبارہ تعمیر کی گئی۔)''

شیخ دتو خویشگی (۵۵۰ھ/ ۱۱۵۵ء)

شیخ دتو قوم کے افغان تھے۔ خویشگی قبیلہ سے ان کا تعلق تھا۔ افغانوں کو مسلمان کرنے میں ان کا بڑا کردار ہے۔

شیخ دتو خواجہ مودود چشتی کے مرید تھے۔ مرشد سے اجازت لے کر واپس اپنے علاقے میں آئے اور خویشگی افغانوں میں تبلیغ اسلام شروع کی، اور اپنی پوری زندگی افغانوں میں اسلام کی ترویج اشاعت کرتے رہے۔ شیخ دتو کے بعد ان کے اخلاف نے بھی اس روایت کو زندہ رکھا۔ شیخ کی اولاد نے پشاور کے علاوہ لاہور اور قصور میں بھی توسیع اسلام کا کام کیا۔ (۳۳)

سلطان سخی سرور (۵۷۷ھ/ ۱۱۸۱ء)

سلطان سخی سرور کا نام احمد اور لقب سخی سرور یا لکھ داتا تھا۔ بعض لوگ آپ کو پٹھان

بتاتے ہیں اور بعض سید۔ ان کی ولادت کرسی کوٹ (ملتان) میں ہوئی۔ شیخ محمد اسحاق لاہوری اور دیگر علماء سے درسیات کی تکمیل کی۔ خواجہ مودود چشتی سے بیعت ہوئے۔ اور اپنی زندگی اشاعت اسلام کے لیے وقف کردی۔ اپنے اس تبلیغی سفر میں انہوں نے لاہور، سوھدرہ، دھونکل، کرسی کوٹ وغیرہ میں قیام کیا۔ آخر میں چند شرپسند حاسدوں نے ملتان کے قریب نگاہہ نام کے مقام پر آپ کو شہید کردیا۔

سلطان سخی سرور کی تبلیغی مساعی کا اعتراف تمام تذکرہ نویسوں نے کیا ہے، لیکن ان کے طریقہ کار کی تفصیلات کم ملتی ہیں۔ سلطانی ہندوؤں کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا زور بنیادی عقائد اور بنیادی اعمال کی درستگی پر رہا ہوگا۔ جیسے عقائد میں توحید کی تعلیم دیا کرتے تھے، اعمال میں چوری سے منع کرتے تھے، راست بازی کی تعلیم دیتے تھے اور مردار کھانے سے منع کرتے تھے۔ جالندھر کے گزیٹر میں ان کے بارے میں لکھا ہے:

> ''سلطانی ہندو اور سکھ ایک مسلمان پیر جنہیں سخی سرور یا لکھ داتا کہا جاتا ہے کے پیرو ہیں۔ زراعت پیشہ ہندوؤں میں سلطانیوں کی اکثریت ہے۔ ان میں چمار بھی شامل ہیں۔ یہ لوگ اگر گوشت کھاتے ہیں تو صرف حلال کیے ہوئے جانور کا کھاتے ہیں۔''(۳۴)

سلطانی ہندوؤں کی موجودگی سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ سلطان سخی سرور نے ہندوؤں میں اس انداز سے تبلیغ کی ہوگی جیسے اس سے قبل اسماعیلی اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے۔ لیکن اچانک شہید ہوجانے کی وجہ سے ان کا یہ سلسلہ ادھورا رہ گیا اور سلطانی ہندو مکمل مسلمان نہ بن پائے۔ تاہم ان میں سے بہت سے لوگ خاص طور پر چمار ذات کے لوگ رفتہ رفتہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔

مغربی پنجاب میں مسلمان جاٹوں کی اکثریت ہے، لیکن ان میں کسی مخصوص مبلغ کا تذکرہ نہیں ملتا۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ یہ جاٹ پہلے سلطانی اور پھر مسلمان ہوئے ہوں۔

بہر حال پنجاب کے علاقے میں سب سے زیادہ جس شخصیت کے اثرات قائم ہوئے اور بعد میں کئی صدیوں تک قائم رہے، وہ سلطان سخی سرور کی ذات ہے۔ (۳۵)

سید جلال اعظم سرخ پوش بخاری (۵۹۵-۶۸۹ھ/ ۱۱۹۹-۱۲۹۱ء)

سید جلال اعظم بخاری کا شمار اجلہ صوفیہ میں ہوتا ہے۔ پنجاب کا مقام اُچ جس کا پرانا نام دیوگڑھ تھا، آپ کا جائے سکونت ہے۔ آپ نے جب اُچ میں قیام کیا تو اس وقت وہاں دیو

سنگھ نام کا ہندو راجہ حکومت کرتا تھا اور مقامی آبادی بھی ہندو تھی۔ آپ کی آمد سے اسلام کو ترقی ملنی شروع ہوئی۔ راجہ نے ان کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو دیکھ انہیں اپنے اقتدار کے لیے خطرہ محسوس کیا اور شیخ کی مخالفت شروع کر دی۔ لیکن شیخ جلال اعظم وہاں اتنے مقبول ہوئے کہ آخر کار راجہ کو تخت سے دستبردار ہونا پڑا اور اس نے مارواڑ میں جا کر پناہ لی۔ خود اس راجہ کی بیٹی سندری بائی نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ (۳۶)

پنجاب کے کئی دیگر راجپوت قبیلے بھی آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے (۳۷)

شیخ سنجان (۵۹۷ھ/۱۲۱۰ء)

خواجہ مودود چشتی کے ایک خلیفہ شیخ سنجان جو بعد میں شیخ شیخان کے نام سے مشہور ہوئے، پٹودی میں آ کر مقیم ہوئے، ان کا نام رکن الدین محمود تھا۔ سنجان وطن تھا۔ تذکرہ نویسوں نے انکے بارے میں لکھا ہے کہ شیخ سنجان اولیاء اللہ اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ان سے بہت سے خوارق کا ظہور ہوا۔ (۳۸) انھوں نے جس علاقہ میں قیام کیا وہاں اس وقت مسلمان بالکل نہیں تھے، اس لیے دیار شرک میں ان کا قیام محض ان کی تبلیغی کاوشوں کے لیے ہی ہوگا۔

صوفیہ نے تبلیغ اسلام کے لیے جو انفرادی کوششیں کیں جن میں چند کا ذکر اوپر ہوا، ان کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن صوفیہ نے صوفی سلسلوں کا جو نظم قائم کیا تھا اس کی اہمیت و معنویت زیادہ ہے۔ اور اس نظم کے ذریعہ اسلام کے زیادہ اثرات مرتب ہوئے۔ ہندستان میں خواجہ اجمیری کے بعد یہ نظم قائم ہوا۔ چشتیہ کے بعد صوفیہ کے اور بھی سلسلے ہندستان میں پھیلے۔ خاص طور پر نقشبندی، سہروردی، قادری اور مداری سلسلوں کو چشتیہ کے بعد زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

خواجہ اجمیری (م ۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء)

خواجہ اجمیری کے بارے میں بعض بے سروپا روایات مشہور ہیں تاہم ان کے قدیم ترین سوانح نگار شیخ جمالی نے سیر العارفین میں ان کے جو واقعات لکھے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ اجمیری سجستان میں پیدا ہوئے، نوعمری میں یتیم ہو گئے، لیکن والد کا ترکہ کفالت کے لیے کافی تھا اس لیے معاشی بے فکری سے گزر رہی تھی۔ اسی دوران ایک بزرگ شیخ ابراہیم

قندوزی ان کے باغ میں قیام پذیر ہوئے۔ خواجہ معین الدین کی مہمان نوازی سے خوش ہوکر ان پر نظر کیمیا اثر ڈالی جس سے خواجہ کا دل دنیاوی اسباب سے متنفر ہوگیا۔

ترک دنیا کا ایک سبب تاتاری فتنہ بھی ہوسکتا ہے جس سے ان دنوں سجستان دوچار رہوا تھا۔ ممکن ہے خود خواجہ کا خاندان بھی اس تباہ کاری کا شکار رہا ہو۔ اور اسی لیے ان کا دل دنیا سے پھر گیا ہو۔ بہر حال جو بھی صورت حال رہی خواجہ نے اپنی جائیداد بیچ کر غرباء میں تقسیم کر دی اور خود سمرقند کا رخ کیا۔ وہاں تعلیم حاصل کر کے نیشاپور کے ایک قصبہ ہرون میں خواجہ عثمان ہرونی کی خدمت میں علم طریقت حاصل کیا اور سلوک کے منازل طے کیے، پھر بلاد اسلامیہ کی سیاحت کی اور آخر میں غزنی کے راستہ ہندستان کا رخ کیا۔ پہلے لاہور میں قیام کیا، پھر ملتان میں ایک طویل عرصہ تک مقیم رہے۔

ہندستان میں تبلیغ اسلام کے لیے مقامی زبان کی بڑی اہمیت تھی۔ خواجہ نے ملتان میں قیام کے دوران مقامی زبان سیکھی۔ (۳۹) پھر دہلی کے راستے اجمیر گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

خواجہ اجمیری کے مرشد شیخ عثمان ہرونی بھی تبلیغ اسلام کے جذبہ سے سرشار تھے۔ ان کا ایک واقعہ مختلف تذکروں میں درج ہے۔ خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ عثمان ہرونی نے ایک مقام پر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور وہاں ان سے ایک کرامت بھی ظاہر ہوئی۔ جس کی وجہ سے بہت سے ہندو اور مجوسی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے، خیر المجالس میں اس واقعہ کی تفصیلات موجود ہیں اس میں واضح طور پر لکھا ہے کہ اس گاؤں میں ہندو اور مجوسی رہتے تھے۔ اس لیے قرین قیاس ہے کہ وہ گاؤں یا مقام ہندستان ہی کا کوئی مقام ہوگا۔

خواجہ عثمان ہرونی کا یہ جذبہ ان کے مرید خواجہ اجمیری کی طرف بھی منتقل ہوا۔ خواجہ اجمیری نے ہندستان کے مرکزی مقام اجمیر میں قیام فرمایا اور تبلیغ دین میں مصروف ہو گئے۔

عام طور پر مشہور ہے کہ اجمیر پر اس وقت رائے پتھورا کی حکومت تھی۔ سیر الاولیاء وغیرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ رائے پتھورا کو خواجہ کا اجمیر میں قیام کرنا پسند نہیں تھا۔ خواجہ کا

ایک مرید دربار سے وابستہ تھا۔ رائے پتھورا کا رویہ اس کے ساتھ بھی اچھا نہیں تھا۔ خواجہ نے اس کی سفارش بھی کی، لیکن راجہ نے اس سفارش کو درخور اعتناء نہیں سمجھا۔ خواجہ اجمیری کی حیات میں ہی رائے پتھورا کی حکومت سلطان شہاب الدین غوری نے ختم کر دی اور اس کی جگہ اس کے بیٹے کو حکمراں بنا دیا۔ وہ خواجہ کا بڑا اکرام کرتا تھا۔ لیکن اس کو جلد ہی اس کے چچا نے قتل کر دیا اور تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد قطب الدین ایبک نے اجمیر کو فتح کر کے میراں سید حسین جنگ سوار مشہدی کو حاکم مقرر کیا۔

اجمیر میں خواجہ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ بڑی تعداد میں لوگ آپ کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ ہندو بھی بڑی تعداد میں آپ کے مرید ہوئے۔ جمالی نے سیر العارفین میں خواجہ کی تبلیغ اسلام کے بارے میں لکھا ہے:

> بیشتر کفار نامدار از آں دیار به برکت آثار آں زبدة الابرار تشریف ایمان مشرف شدند و بیشتریکه ایمان نیاوردند نذرو فتوح بے حدوعد بحضرت ایشاں فرستادند که ہنوز آں کفار بدیں نمط معتقدند ہر سالے می آیند و سر برخاك آں آستانه عظیم القدر و آں بدر سپہر مشیخت می نہند۔ (۴۰)

> ”اس علاقے کے اکثر نامور لوگ ان زبدۃ الابرار کی آمد کی برکت سے ایمان سے مشرف ہوئے اور بہت سے جو ایمان نہیں لائے انہوں نے بھی بے حدوحساب نذر وفتوح آں جناب کی خدمت میں پیش کیں۔ اور وہ ابھی تک اسی طرح معتقد ہیں اور ہر سال آتے ہیں اور آستانۂ عظیم القدر اور آسمانی مشیخت کے اس بدر کامل کے سامنے سر نیاز خم کرتے ہیں۔“

داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے:

> جمعے کثری به برکت قدوم ایشاں مسلمان شدند (۴۱)

> ”ان کی آمد کی وجہ سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔“

سیر الاولیاء کے مصنف امیر خورد کرمانی (متوفی ۷۷۰) نے خواجہ اجمیری کے اثرات بچشم خود دیکھے ہوں گے۔ چونکہ خواجہ کی وفات کے بعد سو سال سے بھی کم عرصہ کے حالات کا

مشاہدہ اس نے خود کیا ہے۔ اس نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ خواجہ اجمیری کے اثرات سے وہاں کفر کی ظلمت نور ایمان کی ضیاء باریوں سے چھٹ گئی۔ لکھتے ہیں:

''ان (خواجہ اجمیری) کی دوسری کرامت یہ ہے کہ آپ کے آنے سے پہلے پورے ہندستان میں کفر وبت پرستی کا راج تھا اور ہند کا ہر ایک سرکش ''انا ربکم الاعلیٰ'' کا دعویٰ کرتا تھا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتا تھا اور وہ سب پتھر وڈھیلے، درخت، چوپایوں اور گائے اور اس کے گوبر کو سجدہ کیا کرتے تھے اور کفر کی تاریکی سے ان کے دلوں کے تالے اور مضبوط ہو رہے تھے''

خواجہ کے ہندستان آنے کا اثر یہ ہوا کہ کفر وشرک کی جگہ اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور اس ولایت کی تاریکی نور اسلام سے منور ہو گئی۔

از تیغ او بجائے صلیب کلیسا در دار کفر مسجد و محراب و منبراست
آنجا کہ بود نعرہ فریاد مشرکاں اکنوں خروش نعرہ اللہ اکبر است (۴۲)

''اس کی تلوار سے صلیب وکلیسا کی جگہ، دار کفر کے دروازے مسجد ومحراب ومنبر بن گئے۔ جہاں مشرک لوگ فریاد وفغاں کرتے تھے اب اللہ اکبر کے نعرے ہیں۔''

اجمیر کے نواح میں تین مقامی مسلم آبادیاں کاٹھات، مہرات اور چیتا ہیں، یہ لوگ تقریباً دس لاکھ کی تعداد میں ہیں۔ ان کے بارے میں روایت ہے کہ یہ لوگ بھی خواجہ اجمیری کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ اس روایت کو اس سے تقویت ملتی ہے کہ ان میں اب تک خواجہ سے بے انتہا عقیدت پائی جاتی ہے۔ اور ان میں بہ ظاہر کسی اور مبلغ کے دعوتی کام کا سراغ بھی نہیں ملتا۔

خواجہ اجمیری کی تبلیغی خدمات کے سلسلہ میں ایک واقعہ یہ مشہور ہے کہ بیکانیر کے حکمراں بیر بل اور گڈو بل نے بھی ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ راجہ بیر بل کا اسلامی نام باری بخش رکھا گیا۔ اور چونکہ یہ اپنے علاقے کے حکمراں تھے اس لیے اس پورے علاقے میں ان کے اثرات مرتب ہوئے۔ ان کے اخلاف ہنوز اپنا انتساب ان کی طرف کرتے ہیں۔ (۴۳)

خواجہ اجمیری کی تبلیغی مساعی کے بارے میں پروفیسر آرنلڈ نے لکھا ہے:

''(خواجہ) اجمیر میں آئے۔ جہاں کا راجہ ہندو تھا اور ملک میں ہر طرف بت پرستی پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں پہنچنے کے بعد جس ہندو کو آپ نے سب سے پہلے مسلمان کیا وہ راجہ کا جوگی گرو تھا۔ رفتہ رفتہ اس کے مریدوں کی ایک جماعت آپ کے پاس جمع ہو گئی، جنہوں نے آپ کی تعلیم وتلقین سے بت پرستی چھوڑ کر اسلام اختیار کرلیا۔ آپ کی

شہرت سن کر بہت سے ہندو اجمیر آئے اور آپ کی ترغیب سے مسلمان ہو گئے۔
روایت ہے کہ جب آپ اجمیر جاتے ہوئے دہلی کے مقام پر ٹھہرے تو وہاں آپ کے ہاتھ پر سات سو ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔(۴۴)

خواجہ اجمیری کے ہندستان آنے کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ آپ قطب الدین ایبک کے عہدِ حکومت میں اجمیر گئے تھے۔ رائے پتھورا کے عہد میں نہیں۔ ہوسکتا ہے یہ درست ہو لیکن ہمارا مقصد ان کی تبلیغی مساعی کی طرف اشارہ کرنا ہے، جن کا موقع عہدِ قطب الدین ایبک میں بھی تھا اور اس سے قبل بھی۔

شیخ حمید الدین ناگوری (۵۷۱ھ/۱۱۷۶ء)

شیخ حمید الدین خواجہ اجمیری کے ارادتمند اور خلیفہ تھے۔ مستقل سکونت ناگور (راجستھان) میں تھی۔ ان کا شمار کبار صوفیہ میں کیا جاتا ہے۔ اشاعت اسلام کے حوالے سے ان کے ایک مکاشفہ کا ذکر ملتا ہے کہ وہ ناگور کے ایک ہندو کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ ولی کامل ہے۔ لوگ کہتے کہ یہ تو ہندو ہے۔ لیکن بعد میں ایسا ہی ہوا کہ وہ شخص مسلمان ہو کر ولی کامل بنا۔(۴۵)

میراں سید حسین جنگ سوار مشہدی (۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء سے قبل)

میراں سید حسین جنگ سوار کو قطب الدین ایبک نے اجمیر کا حاکم مقرر کیا تھا۔ ان کو خواجہ اجمیری سے بڑی عقیدت تھی اور اشاعت اسلام کا جذبہ بھی تھا۔ ان کی تلقین سے جو لوگ مسلمان ہوتے ان کو خواجہ اجمیری کے پاس لاکر کلمہ پڑھوا دیا کرتے تھے۔

قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد شر پسندوں نے اجمیر پر حملہ کر کے ان کو شہید کر ڈالا۔ ان کا مزار ہنوز بالائے کوہ زیارت گاہ خلائق ہے۔(۴۶)

سید حسین کی عدل پروری اور اچھے اخلاق نے جہاں لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب دی، وہیں بہت سے ہندو ارادت مند بھی پیدا کر لیے۔ ان کے مزار کی تعمیر بھی ہندوؤں نے کی اور آج تک ان کے بے شمار ہندو ارادت مند ہیں(۴۷)

شیخ بہاء الدین زکریا (۶۶۱ھ/۱۲۰۷)

سلسلہ سہروردیہ کے عظیم صوفی اور شیخ فرید الدین کے معاصر شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ انوار غوثیہ جو آپ کے حالات پر مشتمل ایک کتاب ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ

شیخ بہاء الدین زکریا کو رفاہی کاموں سے خاص دلچسپی تھی۔ وہ افتادہ جنگلوں کو آباد کراتے۔ کنویں اور نہریں بنواتے۔ خود بھی تجارت کرتے تھے اور تجارت کے فروغ میں کوشاں رہتے تھے۔ زراعت کی ترقی کے لیے بھی جدوجہد کرتے تھے۔ نہریں اسی مقصد سے بنواتے تھے۔ (۴۸)

جب ملتان پر ۱۲۵۷ء میں مغلوں نے حملہ کیا تو ایک لاکھ روپیہ دے کر انہوں نے ملتان کو مغلوں کی وحشیانہ لوٹ پاٹ سے محفوظ رکھا۔ (۴۹)

انوارغوثیہ کے مطابق شیخ بہاؤ الدین زکریا روزانہ وعظ کیا کرتے تھے۔ ان کا وعظ سن کر لاہور اور ملتان کے مضافات میں بے شمار ہندو اسلام میں داخل ہوئے۔ جن میں متعدد امراء و جاگیر دار بھی تھے۔ (۵۰) اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی تبلیغی مساعی میں ان کے رفاہی کاموں کا بھی اثر یقیناً ہوا ہوگا۔

شیخ فریدالدین گنج شکر (۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء)

شیخ فریدالدین کے دادا کابل کے قریب ایک مقام کے قاضی تھے، وہیں ان کی ولادت ہوئی۔ فتنہ تاتار میں وطن کو خیر باد کہنا پڑا۔ شیخ فریدالدین کی تعلیم و تربیت قندھار میں ہوئی اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے بیعت کی۔

شیخ فریدالدین نے پنجاب کے مقام اجودھن میں قیام کیا۔ مشہور ہے کہ آپ نے اجودھن میں اس لیے سکونت اختیار کی تھی کہ یہاں کے لوگ بداخلاق، درشت مزاج اور بداعتقاد تھے۔ اس لیے ان کو سکون سے عبادت کرنے کا موقع ملے گا (۵۱) لیکن اس کی توجیہ یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ اجودھن کے لوگوں کی اصلاح کے لیے وہاں قیام کیا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا بھی نہایت قلیل عرصہ میں اجودھن کے لوگ آپ کے گرویدہ ہو گئے۔

مغربی پنجاب کے علاقے میں اشاعت اسلام بالعموم شیخ فریدالدین کی کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ پنجاب گزیٹری میں مرقوم ہے کہ پنجاب کے ۹ رقبیلے اپنے اسلام کا انتساب شیخ فریدالدین کی طرف کرتے ہیں۔ (۵۲)

ان کے علاوہ پنجاب کا ایک معروف راجپوت قبیلہ سیال جو ملتان، منٹگمری اور جھنگ میں آباد ہے، اس نے بھی شیخ فریدالدین کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ (۵۳)

ایک تذکرہ نویس اصغر علی نے اُن قبائل اور ذاتوں کی مجموعی تعداد سولہ لکھی ہے جنھوں نے شیخ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔(۵۴)

شیخ فریدالدین کے اثرات سے بہت سے غیر مسلم مسلمان ہوئے۔ ساتھ ہی بہت سے ہندو معتقد بھی ہوئے۔ اس کے اثرات ہنوز پنجاب اور دیگر علاقوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ چودھویں صدیں میں گرونانک نے شیخ فریدالدین کے کلام کو اپنی مقدس کتاب میں شامل کیا جو آج بھی گروگرنتھ صاحب کا حصہ ہے۔ اور سکھ اور پنجابی ہندو بڑی عقیدت سے اس کو پڑھتے ہیں۔

شیخ فریدالدین نے اشاعت اسلام کے لیے مقامی زبان اور مقامی روایات و انداز کو اختیار کیا۔ ان کی پنجابی شاعری ہندوؤں میں بھی بہت مقبول ہے۔

شیخ فریدالدین کو جو مقام غیر مسلموں میں تھا، اس سے بڑھ خود مسلمانوں میں تھا۔ ان کے معاصر ایک عظیم المرتبت صوفی شیخ بدرالدین نے شیخ فریدالدین کے نام لکھا۔

فرید دین و ملت یار زیرک   که بادش در کرامت زندگانی

"دین وملت میں یکتا اور ہوشیار ساتھی (شیخ فریدالدین) کہ اس کی زندگی کرامت ہے۔"

شیخ فریدالدین کے ذریعہ ہندستان میں سلسلہ چشتیہ کی دو شاخیں چشتیہ نظامیہ اور چشتیہ صابریہ قائم ہوئیں، جن کے اثرات پورے ہندستان پر پڑے۔

شیخ نظام الدین اولیاء (۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء)

شیخ نظام الدین اولیاء چشتیہ سلسلہ کے عظیم المرتبت صوفی ہیں۔ انہوں نے دہلی میں ایک عظیم الشان خانقاہ قائم کی، جس کی ضیاء پاشی صدیوں تک قائم رہی۔

غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کے لیے آپ کی کوششوں کا زیادہ تذکرہ نہیں ملتا، لیکن اس کا ذکر ملتا ہے کہ آپ کو اشاعت اسلام کی بڑی لگن تھی اور خدا کے بھٹکے ہوئے بندوں کو اس کے آستانے پر جھکانے کا جذبہ تھا۔ اس کا اندازہ فوائد الفواد کے اس اندراج سے ہوتا ہے:

> "ایک غلام آیا اور ایک ہندو کو ہمراہ لایا اور بتایا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ جب دونوں بیٹھ گئے تو خواجہ نے اس غلام سے پوچھا، کیا تیرا بھائی اسلام سے رغبت رکھتا ہے۔ غلام نے جواب دیا، اس کو اسی لیے لایا ہوں کہ آپ کی توجہ سے مسلمان ہوجائے۔ خواجہ نے آبدیدہ ہوکر فرمایا، اس قوم پر کسی کے کہنے کا اثر نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کسی صالح مرد کی صحبت میں آیا جایا کرے تو ہوسکتا ہے اس کی برکت سے مسلمان ہوجائے (۵۵)

شیخ کے اس جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں خدا کے بھٹکے ہوئے بندوں کو خدا تک پہنچانے کا کس قدر جذبہ تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے دعوت و تبلیغ عملاً بھی کی ہوگی۔ اور دراصل یہ شیخ کا تجربہ ہے جو انھوں نے بیان کیا۔

شیخ نظام الدین اولیاء کے عہد میں علماء و صوفیہ کی کاوشوں کے نتیجے میں ایسے واقعات پیش آتے تھے کہ بعض ہندو دل سے مسلمان ہوجاتے، لیکن سماج کی بندشوں کی وجہ سے اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر پاتے تھے۔ بعض لوگ اپنے اسلام کا اظہار مسلمانوں کے سامنے بھی نہیں کرتے تھے۔ اس طرح کا ایک استفسار فوائد الفواد میں ہے:

> ''حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ جو ہندو کلمہ پڑھے اور اللہ تعالیٰ کو ایک جانے اور پیغمبر خداؐ کی رسالت کا قائل ہو۔ لیکن جب مسلمان آئیں تو چپ ہوجائے اس کا انجام کیا ہوگا۔ خواجہ نے فرمایا اس کا معاملہ حق سے ہے خواہ اسے بخشے خواہ عذاب دے'' (۵۶)

ایسے غیر مسلم اصحاب جو اسلام کی حقانیت کے قائل تھے، ان کے بارے میں شیخ نے فرمایا:

> ''بعض ہندوؤں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اسلام سچا مذہب ہے، لیکن پھر بھی اسلام قبول نہیں کرتے۔'' (۵۷)

شیخ کے حالات کے ضمن میں تاریخی طور پر صرف خان جہاں کے مسلمان ہونے کا تذکرہ ملتا۔ خان جہاں تلنگانہ کا ایک ہندو تھا۔ اصلی نام کنو تھا۔ ملک احمد ایاز کے ہمراہ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہوگیا۔ بعد میں اس کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ (۵۸)

شیخ جلال الدین سلہٹ (۷۴۰ھ/۱۳۴۰ء)

شیخ جلال الدین خراسان کے باشندے تھے۔ ۱۳۰۳ء میں سلہٹ تشریف لائے۔ اس وقت سلہٹ پر ہندو راجہ کی حکومت تھی۔ مسلمانوں کی بھی آبادی تھی۔ ایک مسلمان نے اپنے بچے کے عقیقے میں گائے ذبح کردی۔ اس پر راجہ نے ناراض ہوکر بچہ کو قتل کروادیا اور اس مسلمان کے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ اس وقت بنگال میں سلطان سکندر کی حکومت تھی۔ اس نے سلطان سے فریاد کی۔ سلطان نے ایک فوج اس ظلم کا بدلہ لینے کے لیے روانہ کی۔ شیخ جلال الدین بھی مع

اپنے ۳۶۰ مریدوں کے اس فوج کے ہمراہ تھے۔ سلہٹ فتح ہونے کے بعد انہوں نے وہیں قیام کیا۔ اور ۳۷ سال اصلاح وتربیت اور اشاعت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینے کے بعد اسی شہر میں ان کا انتقال ہوا۔

شیخ جلال الدین مجرد جیسا کہ ان کے لقب سے ظاہر تجرد کی زندگی گزارتے تھے۔ انھوں نے سلہٹ میں قیام پذیر ہوکر اطراف کے گاؤں میں اپنے مرید ہے بھیجے اور ان کو شادی شدہ زندگی گزارنے کی بھی اجازت دے دی۔ (۵۹)

شیخ جلال الدین نے سلہٹ میں ۳۷ سال قیام کیا۔ اس پورے علاقہ پر ان کے بڑے اثرات مرتب ہوئے۔ جو صدیوں کے بعد بھی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ (۶۰)

سلطان محمد (۶۷۰ھ/۱۲۷۲ء)

حضرت سلطان محمد ایک بڑے صاحب کرامت بزرگ گزرے ہیں۔ آپ جب پٹن آئے تو ایک مشہور عالی شان مندر کے پاس قیام کیا۔ شہر کے ہر طبقہ کے آدمی اس مندر میں پوجا کرنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ لوگوں نے راجہ کو آپ کے قیام کی اطلاع دی۔ راجہ نے حکم دیا کہ فوراً ہٹادو۔ راجہ کے آدمی جب وہاں پہنچے تو آپ کے خادم نے آپ کو ان کے ارادہ کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا کہ زمین کو حکم دو کہ آنے والوں کو پکڑ لے، جانے نہ دے۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی۔ زمین نے ان کو ایسا پکڑا کہ وہ جتنی نکلنے کی کوشش کرتے، اتنے ہی زیادہ دھنستے جاتے تھے۔ ان لوگوں نے عاجزی وانکساری سے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر ہمیں زمین چھوڑ دے تو ہم چپ چاپ واپس چلے جائیں گے۔ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ زمین کو حکم دو کہ ان کو چھوڑ دے۔ خادم نے ایسا ہی کیا۔ زمین نے ان کو چھوڑ دیا۔ ان لوگوں نے سارا حال راجہ کو سنایا۔ دوسرے دن راجہ حضرت کی خدمت میں آیا۔ آپ نے راجہ سے فرمایا، ''اے راجہ جو چیز ہماری خود کی بنائی ہوئی ہے، وہ ہمارا معبود کیسے ہوسکتی ہے۔ ایسی چیز کو معبود بنانا اور اس کی پوجا و پرستش کرنا عقل مندی نہیں ہے۔ کیا یہ پتھر کی مورتیاں کوئی نفع یا نقصان پہنچاسکتی ہیں۔ کیا یہ دعا قبول کرسکتی ہیں؟'' راجہ خاموشی سے سنتا رہا کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر آپ نے راجہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اے راجہ اگر یہ پتھر کی مورتیاں جو تمہارے معبود ہیں، اگر میری بات مانیں اور میری اطاعت قبول

کریں تو پھر تم ان کی پوجا و پرستش سے اجتناب کرو گے اور صرف معبود حقیقی کی ہی عبادت کرو گے۔ معبود حقیقی وہ ہے جسے کسی نے پیدا نہ کیا، اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوا، وہ ایک ہے۔ سب سے بالا ہے، برتر ہے، فنا سے آزاد ہے۔ بقاء اس کے لیے ہے۔ یہ سن کر راجہ نے آمادگی ظاہر کی۔ آپ نے سب سے بڑے بت کو حکم دیا کہ اس کوزہ کو تالاب سے بھر لا۔ بت فوراً اٹھا اور کوزہ کو تالاب سے بھر کر لایا۔ کوزہ میں سارے تالاب کا پانی تھا۔ تالاب خشک ہو گیا۔ مچھلیاں اور کچھوے تڑپنے لگے۔ راجہ یہ دیکھ کر حیران تھا۔ اس نے آپ سے کہا مچھلیاں اور کچھوے مرے جاتے ہیں، ان کی جان بچا لیجیے۔ آپ نے کوزہ میں سے تھوڑا سا پانی تالاب میں ڈلوایا اور تالاب بھر گیا۔

آپ کی یہ کرامت دیکھ کر راجہ اور اس کے ساتھ بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ (۶۱)

شیخ محمد ترک نارنولی (۶۴۲ھ/ ۱۲۴۵ء)

شیخ محمد ترک خواجہ عثمان ہرونی کے مرید تھے، نارنول میں ان کا فیض جاری تھا۔ ۶۴۲ھ میں عید کے روز اور ایک روایت کے مطابق جمعہ کے روز جب مسلمان نماز میں مصروف تھے تو اچانک ہندوؤں کے ایک مسلح گروہ نے ان پر حملہ کر دیا۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ خواجہ محمد ترک بھی ان میں شامل تھے۔ (۶۲) ہوسکتا ہے ان کی تبلیغی کاوشوں کے مدنظر ان پر خصوصیت سے حملہ کیا گیا ہو۔

مولانا کمال الدین چشتی

شیخ نظام الدین اولیاء کے ایک ارادت مند مولانا کمال الدین چشتی شیخ کے حکم سے دھارنگری تشریف لائے۔ ان کی تلقین سے اس علاقہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور دھار کا حکمراں راجہ پورن مل ان کی تلقین سے مسلمان ہو گیا۔ (۶۳)

سید محمد بندہ نواز (۷۲۱-۸۲۵ھ/ ۱۳۲۱-۱۴۲۲ء)

سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ تھے۔ اشاعت اسلام کے لیے دکن کا رخ کیا اور گلبرگہ میں قیام پذیر ہوئے۔ لوگوں کو مقامی زبان میں اسلام کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اس مقصد سے انہوں نے ایک کتاب معراج العاشقین لکھی جو اردو کی اولین نثری تصنیف ہے۔

ان کے ۱۵؍مارچ ۱۴۰۰ء سے ۱۰؍دسمبر ۱۴۰۰ تک یعنی ۹؍ماہ کے ملفوظات جوامع الکلم نام کی کتاب میں درج ہیں۔ان میں اشاعت اسلام سے متعلق متعدد واقعات کا تذکرہ ہے۔مثلاً ایک جگہ لکھا ہے:

''کئی مرتبہ ہندو پنڈت اور جوگی میرے پاس آئے اور بحث کا ارادہ کیا۔ طے یہ پایا کہ جو بحث میں کامیاب ہوگا وہ دوسرے کی بات مان لے گا۔ چنانچہ اس پر قول واقرار ہوگیا۔ میں نے کہا کہ پہلے آپ اپنی بات شروع کریں۔انہوں نے کہا کہ نہیں تم کہو۔ میں نے سنسکرت کی کتابیں پڑھ رکھی تھی اور ان کی روایات کو جانتا تھا۔ چنانچہ میں نے ان کی روایات بیان کیں اور پوچھا کہ کیا میں درست کہہ رہا ہوں۔اس نے اقرار کیا۔ اس کے بعد میں نے مذہب اسلام کا بیان کیا اور دونوں کا موازنہ کیا۔ پھر ان کے مذہب، کا بطلان ثابت کیا تو وہ شوروغوغا کرنے لگے اور مختلف عذرومعذرت کرنے لگے کہ ہمارے باپ دادا کا جو طریقہ ہے اسی پر رہیں گے۔ کسی نے کہا ہمارے بیوی بچوں کا کیا ہوگا۔وغیرہ''(۶۴)

اس طرح کا ایک واقعہ سامانہ کے ہندو کا ہے۔اس نے بھی قول وقرار کے بعد حضرت سے مباحثہ کیا۔لیکن قائل ہوجانے کے بعد بہانہ کرکے چلا گیا۔اور پھر کبھی نہیں آیا۔(۶۵)

گزیٹر سے اندازہ ہوتا ہے کہ سید گیسودراز نے پونا اور بلگام کے علاقہ میں بھی اسلام کی اشاعت کی اور وہاں بہت سے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔(۶۶)

بلگام میں اشاعت اسلام کے لیے دو اور مبلغین سید محمد اور سید عمر کی جدوجہد کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے۔(۶۷) اسی طرح بابا عجب جن کا مزار ضلع تھانے میں ہے ان کے بارے میں مشہور ہے کہ ضلع دھاروار کے متعدد جولاہے ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔(۶۸) ایک اور بزرگ سید ہاشم گجراتی کے بارے میں تذکرہ ملتا ہے کہ دھاروار کے بعض جولاہا خاندان ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے(۶۹)

ضلع ستارا کے پاس اسلام پور نام کی ایک بستی ہے۔اس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ پوری بستی ایک نومسلم شخص کے ہاتھ پر مسلمان ہوئی۔(۷۰) اس کا قدیم نام شمبو اا پاکوشی تھا۔ ان کی درگاہ آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔(۷۱)

بوعلی شاہ قلندر (۷۲۳ھ/۱۳۲۴ء)

بوعلی شاہ قلندر پانی پت کے مشہور بزرگ ہیں۔ پانی پت کے نواح میں ان کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوئی۔ آرنلڈ نے ایک بڑے خاندان کی نشاندہی کی ہے جن کے جد اعلیٰ امر سنگھ راجپوت نے بوعلی شاہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ (۷۲)

شیخ رکن الدین ابوالفتح (۷۳۴ھ/۱۳۳۴ء)

شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے پوتے اور اپنے وقت کے جید عالم اور صوفی تھے۔ بالعموم ملتان میں قیام رہا، وہیں انتقال ہوا۔ معاصر ملوک و امراء بھی ان کے مجد و شرف کی وجہ سے ان کا احترام کرتے تھے، بڑے مخیرّ اور کشادہ دست تھے۔ غرباء و مساکین پر مستقل خرچ کرتے رہتے تھے۔ حتی المقدور لوگوں کی حاجت روائی کرتے تھے۔ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے ہر ممکن ذریعہ اختیار کرتے تھے۔

ایک مرتبہ بغاوت کی وجہ سے سلطان محمد تغلق نے پورے شہر کو تہہ تیغ کرنے کا حکم دیا۔ شیخ رکن الدین برہنہ پا بادشاہ کے پاس آئے اور اہل شہر کی سفارش کر کے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا۔ (۷۳)

پنجاب گزیٹر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''جویہ'' نام کے راجپوت قبیلہ نے شیخ رکن الدین کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ (۷۴)

شیخ کے ایک مرید حاکم شاہ نام کے تھے جو ملتان کے حاکم تھے۔ لیکن پھر حکومت ترک کر کے اشاعت اسلام میں لگ گئے۔ اچ اور سکھر کے درمیانی علاقے میں اور بہاولپور کے نواح میں ان کی کوششوں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ (۷۵)

حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشتؒ (۷۸۵ھ/۱۳۸۴ء)

مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کا شمار بلند مرتبہ صوفیا میں ہوتا ہے۔ وہ سید جلال الدین بخاری کے پوتے تھے۔ انہوں نے امام عبداللہ یافعی، عفیف الدین عبداللہ المطری اور شیخ رکن الدین ابوالفتح سے تعلیم و تربیت اور سلوک حاصل کیا۔ ظاہری و باطنی علوم سے آراستہ ہو کر بلاد اسلامیہ کی سیاحت کی اس لیے جہاں گشت کہلائے۔

حضرت مخدومؒ کے ملفوظات الدر المنظوم سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے غیر مسلموں میں بھی تبلیغ کی اور اپنے مریدوں کو بھی اس کا حکم دیا، اگر چہ ان کاوشوں کا تذکرہ حسب روایت خال خال ہی نظر آتا ہے۔ مثلاً ایک گجراتی راجپوت کا قصہ ہے جو حضرت کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تھا۔ حضرت نے اس کو گجرات بھیجا تاکہ اپنے گھر والوں اور اپنی قوم کے لوگوں کو اسلام کی تعلیم سے روشناس کرائے۔(۷۶)

حضرت مخدوم جہاں کی بعض ایسی خوبیاں تھی جنہوں نے ان کو عوام میں بڑی مقبولیت عطا کی۔ ان میں سے ایک تو یہ تھی کہ وہ عوامی شکایات کو براہ راست بادشاہ تک پہنچاتے تھے۔ لوگ اپنی شکایتیں لکھ کر حضرت مخدوم کو دیتے اور وہ سلطان کے سامنے پیش کر کے حتی المقدور دادخواہی کراتے (۷۷) اس طرح عوام کے لیے حضرت مخدوم سلطان تک رسائی کا آسان ذریعہ تھے۔

دوسری بات یہ تھی کہ عوامی کاموں میں ہر وقت ہمہ تن مصروف رہتے، جیسے ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ خان جہاں تلنگی نے کسی نویسندہ کے لڑکے کو قید کر دیا۔ اس نویسندہ نے حضرت مخدوم سے سفارش کی درخواست کی۔ حضرت مخدوم خان جہاں کے گھر گئے لیکن اس نے کہلا بھیجا کہ میں ان سے نہیں ملنا چاہتا وہ میرے دروازے پر نہ آئیں۔ لیکن حضرت مخدوم پھر گئے۔ اس طرح آپ نے اس کے گھر ۱۹ر چکر لگائے۔ آخری بار اس نے کہلا بھیجا کہ تم میں ذرہ برابر بھی غیرت نہیں ہے کہ میں نے تم کو اتنی بار منع کیا لیکن تم پھر آ جاتے ہو۔ حضرت مخدوم نے جواب دیا کہ میں جتنی بار آیا مجھے ثواب ملا۔ میں چاہتا ہوں کہ غریب کی فریاد سن کر تم بھی اجر کے مستحق بن جاؤ۔ یہ جواب سن کر خان جہاں نرم ہو گیا۔ اور آخر میں حضرت مخدوم کا مرید ہو گیا۔(۷۸)

حضرت مخدوم کو اتباع شریعت کا بھی بڑا لحاظ رہتا تھا۔ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ اس پر شرعی تکلیف باقی نہیں رہی، اس لیے اس نے نمازیں ترک کر دیں۔ حضرت مخدوم اس کے پاس گئے اور اسے سمجھایا کہ تکلیف شرعی تو حضرت محمدؐ کے لیے بھی معاف نہیں تھی۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے، اس لیے توبہ کرو اور کل فوت شدہ نمازوں کی قضا کرو۔(۷۹)

ایک اور واقعہ ہے کہ ایک شخص اچ میں وارد ہوا۔ ان کی شہرت سن کر حضرت مخدوم بھی اس سے ملنے گئے۔ اس شخص نے کہا کہ اللہ ابھی میرے پاس سے اٹھ کر گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت مخدوم بہت ناراض ہوئے اور کوشش کر کے اس کو شہر سے نکلوا دیا۔(۸۰)

حضرت مخدوم نے تبلیغ اسلام کے لیے مختلف علاقوں میں اپنے مرید ارسال کیے۔ اس طرح کا ایک واقعہ گجراتی نومسلم راجپوت کا اوپر گزر چکا ہے۔ گجرات میں مزید دو مریدوں کے بھیجنے کا تذکرہ اور ملتا ہے، جن میں سے ایک کا نام قطب عالم اور دوسرے کا نام شاہ عالم تھا۔ ان دونوں کے مزار احمد آباد میں مرجع خلائق ہیں۔ (۸۱)

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بعض دستاویزات کی بنیاد پر یہ انکشاف کیا ہے کہ علاقہ منگرول میں حضرت مخدوم نے سید سکندر بن مسعود کو اشاعت اسلام کے لیے متعین کیا تھا۔ ان کی خانقاہ کاٹھیاواڑ میں تھی۔ اس کے بارے میں ہے:

> ''کاٹھیاواڑ میں شیخ صاحب منگرول کی ریاست ہے، جن کے مورث اعلیٰ سید سکندر بن مسعود کو حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت نے اس علاقے میں ارشاد و ہدایت کے لیے بھیجا تھا۔ فیروز شاہ تغلق کے بعد جب دہلی کی حکومت کمزور ہوگئی تو گرنار کے ہندوؤں نے سر اٹھایا اور مسلمانوں سے کہا کہ وہ اپنی داڑھی منڈالیں، گاؤکشی سے توبہ کرلیں اور مسجدوں میں شیولنگ نصب کریں۔ اس پر منگرول کے سجادہ نشین نے حضرت شاہ عالم صاحب کو جو اس وقت احمد آباد میں بڑا اقتدار رکھتے تھے، لکھا کہ ہمارے بزرگوں کو آپ کے پردادا حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت قدس سرہ نے یہاں بٹھایا تھا اور آج ہمارے سر پر یہ گزر رہی ہے۔ شاہ صاحب نے جواب میں لکھا کہ آپ فکر نہ کریں۔ خدا کارساز ہے۔ آپ فلاں فلاں وظیفہ پڑھتے رہا کریں۔ انشاء اللہ میں بھی پوری کوشش کروں گا۔ اس کے بعد جلد ہی سلطان محمود بیگڑہ نے گرنار فتح کرلیا۔ (۸۲)

اس دستاویزی ثبوت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم نے مختلف علاقوں میں تبلیغ و اشاعت اسلام اور مسلمانوں کی تربیت و اصلاح کے لیے مریدوں کو بھیجا تھا۔

مغربی پنجاب میں راجپوتوں کا ایک قبیلہ نون آباد ہے۔ اس قبیلہ کی آبادیاں کشمیر میں بھی ہیں۔ گزیٹیر کے مطابق اس قبیلہ کے لوگوں نے حضرت مخدوم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔

ضلع منٹگمری کے گزیٹر میں لکھا ہے کہ کھرل راجپوت جو اپنے آپ کو راجہ کرن کی اولاد بتاتے ہیں، ان کے مورث اعلیٰ بھوپا اور اس کے بیٹے کھرل نے بھی مخدوم جہاں کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا تھا۔ (۸۳)

حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت کا ایک بڑا کارنامہ اسماعیلیوں میں تبلیغ کا ہے۔ ان کی کوششوں سے بڑی تعداد میں اسماعیلی سنی ہوگئے۔

اسماعیلی حاکموں کے تیسرے خانوادے یعنی سمہ حکمرانوں کے راہِ حق پر آنے میں ان کی کوششوں کا بڑا دخل ہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ فرشتہ میں مذکور ایک واقعہ کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ اس میں لکھا ہے کہ سید جلال الدین رمضان کے مہینہ میں ایک مسجد میں معتکف تھے۔ مریدوں اور درویشوں کا ہجوم تھا۔ اچ کا اسماعیلی حاکم آپ سے ملنے آیا۔ کسی درویش سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہوگئی جو اس کے حاکمانہ مزاج پر گراں گزری۔ اس نے اس درویش کو مسجد سے نکال دیا۔ سید جلال الدین کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ سومرہ دیوانہ ہوگیا ہے۔ اور سومرہ سردار واقعی دیوانہ ہوگیا۔ شہر میں غل مچ گیا۔ اس سردار کی والدہ فوراً ان کے پاس حاضر ہوئی اور بڑی عاجزی سے درخواست کی کہ میری پیرانہ سالی پر رحم فرما کر اس نوجوان کو معاف کر دیجیے۔ غرض ان کو چند شرائط کے ساتھ معاف کر دیا۔ وہ سردار ہوش میں آنے کے بعد آپ کا مرید ہوگیا۔ (۸۴) مولانا ابوظفر ندوی نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ یا تو عمر سومرہ کے ساتھ پیش آیا ہوگا یا پھر بھونکر سوم کے ساتھ۔ (۸۵)

۱۳۶۳ء میں جب فیروز شاہ تغلق نے ٹھٹھ پر حملہ کیا تو ٹھٹھ کے اسماعیلی حاکم نے بھی حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت کی وساطت سے صلح کی درخواست کی اور انھی کی کوششوں سے آسان شرائط پر صلح ہوگئی۔ (۸۶)

یہ اسماعیلی حاکم سمّہ قوم سے تعلق رکھتے تھے اور یہ سومروں کے اقتدار کو ختم کر کے خود صاحب اقتدار ہوئے تھے۔ سنی عقیدہ مسلمانوں نے سومروں کے خلاف سمہ سرداروں کی مدد کی تھی۔ تاریخ فرشتہ نے لکھا کہ انار بن بابیہ سمہ نے صحیح العقیدہ مسلمانوں کی مدد سے جلد ہی تمام سندھ پر قبضہ کر لیا۔ (۸۷)

سمّہ سرداروں کے نام عام طور پر ہندوانہ ہوتے تھے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنی قدیم روایات سے الگ نہیں تھے۔ چناں چہ ابتدائی تین سمّہ سرداروں کے نام جام اونر، جام جونا اور جام تماچی ہیں، فیروز شاہ نے جام تماچی پر حملہ کیا تھا، اس کے بعد سمّہ سرداروں کے ناموں میں جام خیر الدین اور جام نظام الدین۔ کے نام ملتے ہیں۔ (۸۸)

اس میں شبہ نہیں کہ سمہ قوم کی اصلاح و تربیت اور ان کے صحیح العقیدہ مسلمان بنانے میں مخدوم جہانیان جہاں گشت کی خدمات کا قابل قدر حصہ ہے۔

شیخ موسیٰ نواب

شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے خلیفہ تھے۔ انہوں نے بھی اُچ کے علاقے میں

اشاعتِ اسلام کے لیے جدوجہد کی، گزیٹر میں لکھا ہے کہ ان کے ہاتھ پر دو راجپوت قبیلے مسلمان ہوئے۔(۸۹)

شیخ عبدالوہاب شاذلی (۹۷۵ھ/ ۱۵۶۸ء)

شیخ عبدالوہاب متقی قادری سلسلہ شاذلیہ کے معروف صوفی گزرے ہیں، صاحب اخبارالاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اُن سے استفادہ کیا تھا۔ان کی ولادت گجرات کے شہر برہان پور میں ہوئی۔ ان کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اشاعت اسلام کے لیے بھی جدوجہد کی۔ وہ خاص طور پر جوگیوں اور فقیروں میں تبلیغ اسلام کیا کرتے تھے۔ان کا ایک واقعہ اخبارالاخیار میں اس طرح ہے کہ ایک جوگی تھا۔ جس کے بے شمار عقیدت مند تھے اور اس سے خرق عادات کا ظہور ہوتا تھا۔شیخ اس کے پاس گئے۔اس جوگی نے اپنے مکشوفات ومشاہدات بیان کیے۔اس کا ایک مشاہدہ یہ تھا کہ ایک خالص سونے کا بنا ہوا قلعہ ہے۔لیکن اس میں داخلے کے لیے چند پرمشقت ریاضتیں کرنی ضروری ہیں۔ وہ جوگی ہمہ وقت اس قلعہ میں داخل ہونے کے خیال میں مشغول رہتا تھا۔

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ اس کو اسلام کی تلقین کی اس نے توجہ سے سنا اور پسند کیا، لیکن جب تک اس کے ذہن سے سونے کے قلعہ کا خیال محو نہیں ہو کوئی دیگر بات ذہن میں سما نہیں سکتی تھی۔اس لیے ہم یہ بھی کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح اس خیالی سونے کے قلعہ کا خیال اس کے ذہن سے نکل جائے۔ بالآخر یہ وسوسہ دفع ہو گیا۔اور اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ کچھ دن مزید جوگیانہ اعمال میں مبتلا رہا اس کے بعد خالص مومن ہو گیا۔(۹۰)

کشمیر میں اسلام

کشمیر میں اسلام بہت پہلے داخل ہو گیا تھا۔ حمیم بن سامہ شامی اور ان کے ساتھیوں کا تذکرہ، سلاطین کی خدمات اور فتح سندھ وغیرہ کے ذیل میں ہے۔ چچ نامہ کی روایت کے مطابق تیسری صدی ہجری کے اوائل تک حمیم سامہ کے اخلاف اس علاقہ میں آباد تھے انہوں نے مسجدیں تعمیر کیں اور یقین ہے کہ انہوں نے تبلیغی جدوجہد بھی کی ہوگی۔ اگرچہ اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔

حمیم سامہ کے بارے میں بھی تفصیل نہیں ملتی لیکن ان کے زمانہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تابعی رہے ہوں گے۔ چونکہ ۹۰ھ سے قبل انہوں نے سندھ میں پناہ لی تھی، اس لیے ان کے زمانہ میں بڑی تعداد میں صحابہ کرامؓ حیات تھے۔

حمیم سامہ کشمیر میں جاگیردار تھے۔ان کی جاگیر صدیوں ان کی اولاد میں برقرار رہی۔ان کے علاوہ کشمیر کے ہندوراجہ کے دربار میں مسلمان ملازمین اور مسلم تاجروں کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔

ایسے ہی ایک مسلمان ملازم شاہ مرزا تھے جوراجا سنگھ دیو کے مختار تھے۔راجہ نے اس کو بڑے اختیارات تفویض کیے تھے۔راجہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رنجن شاہ حکمراں ہوا۔رنجن نے اسلام قبول کرلیا تھا،لیکن اس کی وفات کے بعد نظام حکومت درہم برہم ہونے لگا تو مجبوراً شاہ مرزا نے عنان حکومت خود سنبھالی اور بڑے منصفانہ اصولوں پرحکومت کی جس کا اعتراف کیمبرج ہسٹری اور دیگر تاریخوں میں موجود ہے۔

بلبل شاہ

اسی عہد میں بلبل شاہ کی تلقین سے کشمیر کا راجا رنجن دیو اور اس کے ساتھ اس کے دس ہزار درباریوں نے اسلام قبول کیا۔(۹۱) یہ لوگ دربار کے اعلی عہدیدار بھی تھے۔انہی کے ذریعہ کشمیر میں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔

ڈاکٹر صوفی نے تاریخ کشمیر میں لکھا ہے کہ نومسلم سلطان صدرالدین نے بلبل شاہ کے لیے ایک خانقاہ بھی تعمیر کروائی تھی جس میں لوگ جوق در جوق آ کر اسلام قبول کرتے تھے،بلبل شاہ کی اس خانقاہ کے ایک حصہ میں مسجد بھی تعمیر کی۔ یہ مسجد ہنوز موجود ہے اور خانقاہ میں آج تک لنگر خانہ جاری ہے(۹۲)

سید علی ہمدانی (۷۸۵ھ/۱۳۸۴ء)

کشمیر کی اسلامی تاریخ میں امیر کبیر سید علی ہمدانی کا نام سب سے زیادہ روشن ہے۔ آپ ۱۳۶۹ میں کشمیر تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ سات سولوگ تھے۔ان کی تشریف آوری کے وقت کشمیر میں سلطان قطب الدین کی حکومت تھی،لیکن عوام زیادہ تر غیر مسلم (بدھ اور ہندو) تھے۔امیر کبیر کی تلقین سے ۳۷ ہزار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔سید محمد خاوری نے کشمیر میں

آپ کی آمد کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک قطعہ تاریخ لکھا:

میر سید علی شیر ہمداں سیر اقلیم سبعہ کردنکو
شد مشرف زمقدمش کشمیر اهل آں شہر را ھدایت جو
سال تاریخ مقدم او یابی از مقدم شریف او

''میر سید علی جو ہمدان کے شیر ہیں انہوں نے ساتوں اقالیم کی سیر کی کشمیر ان کے آنے سے بابرکت ہوگیا۔ اور اس کے لوگ ہدایت کے طالب ہوگئے۔ ان کے آنے کی تاریخ ''مقدم شریف او'' سے برآمد ہوتی ہے۔''

میر سید علی ہمدانی کی کاوشوں سے غیر اسلامی روایات و رسوم کا خاتمہ ہوگیا۔ خود سلطان کے نکاح میں دو سگی بہنیں تھیں۔ امیر کبیر کی تلقین سے اس نے اس غلطی کی اصلاح کی۔ امیر کبیر کی تلقین سے راجہ نے ہندوانہ لباس ترک کر کے اسلامی لباس اختیار کیا۔

کشمیر کے ایک ہندو رئیس نے امیر کبیر کے ایک ساتھی میر سید حسین سمنانی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ان کا نام شیخ سلیمان رکھا گیا۔ ان کے ایک اور ساتھی سیدِ قاضی تھے۔ انہوں نے علاقہ لتار پور میں اسلام کی اشاعت کی۔

میر سید علی نے ''ذخیرۃ الملوک'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں مسلم حکمرانوں کے لیے ہدایات ہیں۔ یہ کتاب ہنوز متداول ہے۔ کشمیر پر ان کی آمد کے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ علامہ اقبال نے بھی ان کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے ۔

سید سادات سالار عجم دست او معمار تقدیر امم
تاغزالی درس اللہ گرفت ذکر و فکر از دودماں او گرفت
مرشد آں خطہ مینو نظیر میر و درویش و سلاطیں را مشیر
آفرید آں مرد ایران صغیر باہنرہائے غریب و دلپذیر

''سیدوں کے سید عجم کے سالار ان کا ہاتھ قوموں کی تقدیر کا معمار ہے۔ غزالی نے جب اللہ کا درس لیا تو اس کے خانوادے سے ذکر و فکر حاصل کیا۔ وہ اس جنت نظیر علاقہ کا مرشد ہے اور امیر و درویش اور حکمرانوں کا مشیر ہے۔ اس شخص نے اس ایران صغیر (کشمیر) کو عجیب و غریب اور دلپذیر ہنروں سے تشکیل دیا۔''

امیر کبیر کے بعد ان کے بیٹے میر محمد ہمدانی نے دس برس یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ تک کشمیر میں اسلام کی اشاعت۔ ان کے زمانے میں کشمیر کا فرمانروا سلطان سکندر تھا۔

اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نومسلم تھا۔ اس نے متعدد وحشیانہ ہندو رسوم جیسے ستی وغیرہ کو بند کردیا۔ اس کا وزیر سنھا بھٹ تھا وہ بھی اسی عہد میں مسلمان ہوا۔

سلطان سکندر کے بعد سلطان علی حکمراں ہوا۔ اور اس کے بعد زین العابدین خاں حکمراں ہوا۔

زین العابدین نے بعض منہدم شدہ مندروں کو دوبارہ تعمیر کروایا۔ گاؤ کشی پر پابندی لگادی اور لوگوں کو اختیار دیا کہ اگر کوئی مسلمان دوسرا مذہب اختیار کرنا چاہے تو اس کو آزادی ہے۔ مشہور ہے کہ بعض نومسلم اس کے بعد غیر مسلم ہو گئے تھے۔

لیکن اس عہد میں تبلیغی سرگرمیاں صوفیہ کے زیر اثر جاری رہیں۔ ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی نے تاریخ کشمیر میں لکھا ہے کہ راجپوتوں کے دو بڑے قبیلے جو بارہ مولہ اور کوہالہ کے درمیان دریائے جہلم کے کنارے آباد ہیں، سلطان زین العابدین کے عہد میں مسلمان ہوئے۔ (۹۳)

مسلمانوں میں جو صوفیہ و علماء وعظ و تلقین اور پند و نصائح کیا کرتے تھے، وہ مسلمان رشی کہلاتے تھے۔ ایسے لوگوں میں شیخ نورالدین بہت مشہور ہیں۔ ہندو بھی ان کا بڑا احترام کرتے تھے اور ان کو نندہ رشی کہتے تھے۔ (۹۴)

۱۴۸۷ء میں اسماعیلیوں کے نور بخشی نامی فرقہ نے اس علاقہ میں اپنی تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں۔ بہت سے مسلمان بھی اسماعیلی ہو گئے، اور بہت سے غیر مسلموں نے اسماعیلی مذہب اختیار کرلیا۔ اسماعیلیوں کی کوششوں سے ایک ایسا خاندان برسر اقتدار آ گیا جو اسماعیلی عقائد کا حامل تھا۔ (۹۵)

کشمیر میں اسماعیلیوں کی سرگرمیاں بہت پرانی تھیں، جیسا کہ ہم نے ان کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔ موجودہ جدوجہد نے اس میں مزید روح پھونک دی۔ اور اقتدار ملنے پر ظاہر ہے کہ سنی مسلمانوں سے ایک آویزش شروع ہوگئی۔ اسی آویزش کو کشمیر کی تاریخ میں شیعہ سنی آویزش کہا جاتا ہے۔ جب یہ آویزش اپنے عروج پر تھی اس وقت دہلی میں مغل حکمراں اکبر کی بادشاہت تھی۔ یعقوب صیرانی اور کشمیر کے دوسرے معزز مسلمانوں نے اکبر کے پاس فریاد کی۔ اکبر نے فوج بھیج کر کشمیر کو فتح کرلیا اور اس کے بعد سے یہ خطہ سلطنت مغلیہ کا حصہ بن گیا۔ یہاں جو اسماعیلی اثرات تھے وہ بھی تقریباً ختم ہو گئے۔

اس وقت کشمیر کا بیشتر حصہ مسلمان ہو چکا تھا۔ اور بعد میں بھی وہاں وقتاً فوقتاً قبول اسلام

کے واقعات رونما ہوتے رہے۔ مثلاً کشتورکا ہندو راجہ شاہ فرید الدین نامی بزرگ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ شاہ فرید الدین کے ہاتھ پر اس کی ریاست کے بہت سے دیگر ہندوؤں نے بھی اسلام قبول کیا۔ (۹۶)

شیخ شرف الدین یحیٰ منیری (۶۶۱ھ/۷۸۲ء)

شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کا شمار عظیم صوفیہ میں ہوتا ہے۔ بہار کے قصبہ منیر میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے والد مولانا محمد تاج فقیہ کی ذات سے منیر اور اس کے اطراف میں اسلام کی اشاعت ہوئی تھی۔ مولانا کے سوانح نگار سید ضمیر الدین نے لکھا ہے:

> ''مولانا تاج فقیہ کی ذات سے منیر اور مضافات میں اسلام کی بہت کچھ اشاعت ہوئی۔ شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جہاں اذان وتکبیر کی آواز سنائی نہ دیتی ہو۔ مولانا کے باعث منیر میں ایک باوقعت اور باقوت جماعت مسلمانوں کی پیدا ہوگئی۔ (۹۷)

مولانا تاج فقیہہ نے منیر میں سکونت اختیار کی اور علوم ظاہری و باطنی سے فارغ ہوکر تبلیغ واشاعت اور رشد وہدایت میں مصروف ہوگئے۔ ان کے بعد شیخ شرف الدین نے بھی غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت کا کام کیا۔ اگرچہ اس کی تفصیلات نہیں ملتیں، تاہم خال خال واقعات ملتے ہیں، جو اتفاقاً تذکروں میں درج ہوگئے۔ ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک جوگی نہایت حسین وجمیل تھا۔ اس کو دیکھ کر شیخ مخدوم کے بعض مریدوں کے دل میں خیال آیا کہ ایک کافر کتنا حسین ہے۔ چونکہ جوگی صفا باطن حاصل کیے ہوئے تھا اس لیے ان کے خیال سے آگاہ ہوگیا اور ان کو اس طرح کے وساوس پر تنبیہ کی اور پوچھا کہ تمہارا گرو کون ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ شرف الدین یحیٰ۔ جوگی ان کے گرو کو دیکھنے ان کے ساتھ چلا لیکن جونہی اس کی نظر حضرت مخدوم پر پڑی، بے تحاشا بھاگا۔ لوگوں نے پوچھا کیوں بھاگتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ مخدوم ''تارروپ ہوگئے ہیں'' یعنی متصف بصفاتِ حق ہیں (یہ صوفیہ کی ایک اصطلاح ہے)۔ اگر میں ان کے قریب گیا تو جل جاؤں گا۔ حضرت مخدوم کو اس کی خبر ملی تو مسکرائے اور ان کو بلوایا۔ یہ دیر تک مجلس میں بیٹھے، حضرت مخدوم نے اسلام کی تلقین کی۔ تین دن اپنی صحبت میں رکھا اور خلافت عطا کر کے رخصت کر دیا۔ (۹۸)

شیخ شرف الدین کی اولاد میں شاہ دولت (۱۰۱۵ھ) نامی ایک شخص بڑے پائے کے صوفی اور بزرگ تھے۔ ان کے یہاں امراء وصلحا کی آمد رہتی تھی۔ ان کے اندر اشاعت اسلام کا

بڑا جذبہ تھا، جس کا اندازہ مآثرالامراء کے اس اندراج سے ہوتا ہے۔

’’راجہ مان سنگھ بنگال جاتے ہوئے منیر میں شاہ دولت سے ملے۔ انہوں نے راجہ کو اسلام کی تلقین کی۔ راجہ اسلام کی طرف مائل تھا اور اسی غرض سے اس نے وہاں ایک ماہ قیام کیا۔ لیکن نہ جانے کیا چیز مانع ہوئی کہ اسلام قبول نہیں کیا۔ (۹۹)

سید سلطان بہرائچی

عہد بابر کے ایک بزرگ سید سلطان بہرائچی کے ہاتھ پر ایک عورت مسلمان ہوئی۔ اس کے خاندان والوں نے محمد زماں سے جو وہاں کے حاکم اور بابر کے عزیز تھے شکایت کی۔ محمد زماں نے حکم دیا کہ عورت اس کے وارثوں کے حوالے کردی جائے۔ لیکن سید سلطان نے کہا کہ مومن عورت کو مشرکوں کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ (۱۰۰)

امام شاہ (۹۱۷ھ/۱۵۱۲ء)

احمد آباد کے جنوب مغرب میں دس میل کے فاصلے پر پیرانہ ایک مقام ہے۔ یہی امام شاہ کی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ ان کی تلقین سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ (۱۰۱)

امام شاہ کی ایک کرامت مشہور ہے کہ کچھ ہندو زائرین پیرانہ سے ہوتے ہوئے بنارس جا رہے تھے، اتفاقاً آپ سے ملاقات ہوگئی۔ آپ نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ انہوں نے کہا بنارس۔ آپ نے کہا چلو میں لے چلوں اور آن واحد میں ان کو بنارس پہنچا دیا۔ وہاں اشنان و پوجا سے فارغ ہوئے تو پھر آن واحد میں دوبارہ پیرانہ میں پہنچا دیا۔ (۱۰۲)

شیخ جلال الدین تبریزی (۱۳۲۳ء کے بعد)

شیخ جلال الدین تبریزی ابتدائی عہد کے اجلہ صوفیہ میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت تھے۔ دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے گہرے مراسم تھے۔ کسی وجہ سے شیخ الاسلام نجم الدین صغری ان سے ناراض ہوگئے اور ان کو دہلی سے نکل جانے کا حکم دیا۔ (۱۰۳) اس لیے دہلی سے ترک سکونت کر کے آپ بدایوں چلے گئے۔ جہاں ان کے ہاتھ پر ایک شخص کے مسلمان ہونے کا واقعہ فوائد الفواد اور خیر المجالس میں مفصل درج ہے۔ اس کی تلخیص یہ ہے:

’’ایک مرتبہ شیخ جلال الدین بدایوں میں ایک مکان کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص جو بدایوں کے قریب مواسی (غالباً گاؤں کا نام) کا رہنے والا تھا۔ چھاچ کا مٹکا

سر پر لیے ہوئے گزرا۔ شیخ پر نظر پڑی تو شیخ کی نورانی صورت سے بہت متاثر ہوا۔ دل میں کہنے لگا کہ مسلمانوں میں ایسے پرنور بزرگ بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ شیخ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا اور اس کا اسلامی نام علی رکھا گیا۔ علی مالدار آدمی تھا۔ وہ ایک لاکھ جیتل لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے اس کو قبول کر کے خود علی کو ان کا امین بنا دیا اور وہ ساری رقم حاجتمندوں میں تقسیم کردی۔'' (۱۰۴)

شیخ گیسودراز نے لکھا ہے کہ بدایوں سے شیخ بنگالہ تشریف لے گئے۔ وہاں بندر دیوہ محل میں قیام کیا: (۱۰۵) بندر دیوہ میں اس وقت لکھن سین کی حکومت تھی۔

بندر دیوہ میں ایک بہت بڑا تالاب تھا۔ اس کے کنارے ہندو راجہ نے ایک مندر بنوایا تھا۔ شیخ جلال الدین نے اولاً اسی مندر میں قیام کیا۔ وہاں بہت سے لوگ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے اور راجہ نے مندر کی نصف آمدنی شیخ کے لنگر کے لیے مختص کردی۔ (۱۰۶)

اس واقعہ کی تفصیلات خواجہ بندہ نواز گیسودراز نے اپنے ملفوظات میں اس طرح لکھی ہیں:

دیوہ محل میں شیخ نے ایک کمہار یا مالی کے گھر قیام کیا۔ ایک روز دیکھا کہ ان کے گھر سے رونے پیٹنے کی آواز آرہی ہے۔ شیخ نے پوچھا تو پتا چلا کہ اس شہر میں ایک رسم یہ تھی کہ راجہ کے حکم کے مطابق ہر روز ایک نوجوان دیو کے سامنے بھیجا جاتا اور وہ اسے کھا جاتا۔ اس روز شیخ کے میزبان کے بیٹے کی باری تھی۔ شیخ نے فرمایا اپنے بیٹے کو نہ بھیجو مجھے بھیج دو۔ لیکن وہ شخص نہ مانا اور اپنے بیٹے کو نہلا دھلا کر بت خانے میں جہاں وہ دیو آتا تھا لے گیا۔ شیخ بھی پیچھے سے چلے گئے۔ اور چپکے سے لڑکے کو رخصت کردیا اور خود دیو کا انتظار کرنے لگے۔ جب دیو ظاہر ہوا تو شیخ نے اس کو ختم کردیا۔ صبح کے وقت راجہ مع اپنے لشکر کے درشن کو گیا تو ایک اجنبی کو دیکھ کر حیران ہوا۔ شیخ نے کہا اے راجہ تم بلاخوف آگے آجاؤ میں نے دیو کو قتل کردیا ہے۔ لوگوں نے دیکھا کہ دیو سچ مچ مردہ پڑا تھا۔ اس کرامت کو دیکھ کر وہ تمام لوگ مسلمان ہوگئے۔ (۱۰۷)

چونکہ یہ کرامت ایک مندر میں ظاہر ہوئی تھی اس لیے عجب نہیں کہ اسی وجہ سے راجہ نے مندر کی نصف آمدنی شیخ کے لنگر کے لیے وقف کردی ہو۔

بندر دیوہ محل میں آپ کے ذریعہ بعض اور بھی خرق عادت واقعات ظہور میں آئے جن کو دیکھ کر اس علاقے کے بیشتر لوگ مسلمان ہوگئے۔ گلزار ابرار جس میں صوفیہ کی ''موحدانہ فتوحات'' (وحدۃ الوجود) کا تذکرہ زیادہ اور اشاعت اسلام کا کم ہوتا ہے، انہوں نے بھی

اعتراف کیا ہے کہ اس علاقے کے بیشتر لوگ انہی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ اس نے لکھا ہے:

وبدیں نمائش بزرگ بیشتر اہل آن دیار در ربقہ اسلام و در سلسلہ ارادت او در آمدہ کامیاب دو جہانی گشتند.(۱۰۸)

''اوراس عظیم کرامت کی وجہ سے اس علاقہ کے بیشتر لوگ اسلام کے دائرہ میں آئے اوران کے مرید ہوئے اس طرح دونوں جہانوں میں کامیاب ہوئے۔''

ڈاکٹر مہر علی جو اشاعت الاسلام کی کاوشوں کو بالعموم کم پیش کرتے ہیں، انہوں نے بھی شیخ جلال الدین تبریزی کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔(۱۰۹)

آخر عمر میں شیخ جلال الدین عزلت گزیں ہو گئے تھے۔ جمالی نے آپ کی آخری جائے قیام بندر دیوہ لکھی ہے۔ بعض مؤرخین آسام بتاتے ہیں (۱۱۰)

اس عہد میں بنگال میں علماء وصوفیہ کے مراکز تھے۔ ابن بطوطہ کے مطابق وہاں صوفیہ کی ۱۵۰ گدیاں تھیں (۱۱۱) یہ صوفیہ جس طرح مسلمانوں میں خدمات انجام دیتے تھے اسی طرح غیر مسلموں میں بھی کام کرتے تھے۔

شیخ جلال الدین تبریزی کے حالات پر سنسکرت زبان اور بنگالی رسم الخط میں ایک کتاب کا تذکرہ شیخ اکرام نے کیا ہے۔ اس کتاب کے مطابق ۱۳۲۳ھ میں شیخ بنگال سے ترک سکونت کر کے آسام چلے گئے تھے۔ ان کی سال وفات متعین طور پر معلوم نہیں۔

سید نطہر ولی (۶۲۲ھ/ ۱۲۲۵ء)

سید نطہر ولی جنوب ہند کے ایک بزرگ ہیں۔ یہ اپنے نو سو مریدوں کے ہمراہ تنلگھاٹ کے مقام پر رونق افروز تھے۔ وہاں بدھ بھی بڑی تعداد میں آباد تھے۔ اور وہاں کا ہندو راجہ معمولی بہانوں کی بنیاد پر بدھوں کو قتل کرا دیا کرتا تھا۔ بالعموم بدھ ایسی حالت میں مسلمانوں سے فریاد کرتے اور اس طرح مسلمانوں نے متعدد مرتبہ بدھوں کی حفاظت کی۔ اس طرح کے واقعات ممکن ہے اس سے پہلے سے رونما ہوتے رہے ہوں اور غالباً اس لیے بدھ دھرم کی ایک مقدس کتاب شونیہ پران جو گیارہویں صدی میں لکھی گئی اس میں مسلمانوں کو دھرم کا اوتار بتایا گیا ہے۔(۱۱۲)

تلگھاٹ کا راجہ دساسر دیو غالباً اسی وجہ سے ایک لڑکے کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اس کی ماں نے سید نطہر ولی سے فریاد کی۔ انہوں نے بچہ کو اپنی پناہ میں لے لیا تو راجہ ناراض ہوا اور اس نے

نطہر ولی پر حملہ کر دیا۔لیکن خود مارا گیا۔(۱۱۳) اس کے بعد سید نطہر ولی ترچنا پلی چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔

گزیٹر میں لکھا ہے کہ مدورا اور ترچنا پلی کے بہت سے مسلمان جنہیں رواتھن (Rawathans) کہا جاتا ہے آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے (۱۱۴)

سید ابراہیم شہید

سید ابراہیم سید نطہر ولی کے جانشین تھے۔ پانڈیہ کے حکمراں نے آپ کے اوپر حملہ کیا، لیکن شکست کھائی۔آپ بارہ سال جانشینی کرنے کے بعد کسی جنگ میں شہید ہو گئے۔(۱۱۵)

بابا فخر الدین (۶۹۳ھ/۱۲۹۴ء)

سید نطہر ولی کے ایک اور مرید بابا فخر الدین تھے جنہوں نے ۱۲۹۴ء میں وفات پائی۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک مندر کے پجاری سے مناظرہ ہوا۔اور اس میں انہوں نے فتح پائی۔ان کے ہاتھ پر دودویکا قوم (ندّاف) کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔(۱۱۶) انہی کے بارے میں ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ پینوکنڈا میں انہوں نے قیام کیا۔وہاں کا راجہ ان کی کرامت سے متأثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔اور قرب وجوار کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

سید عبدالقادر ولی (۹۷۷ھ/۱۵۷۰ء)

سید عبدالقادر ولی کی تبلیغی کوششیں علاقہ تنجوا میں رہیں۔انہوں نے ترام میں ایک مسجد تعمیر کی تھی۔اس کے بعد ناگور میں سکونت اختیار کر لی۔دھنا سری کے ہندو راجہ اور اس کی بہت سی رعیت نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔تنجور کے ہندو راجہ کو بھی آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ اس علاقہ میں مسلمان کل آبادی کا چوتھائی ہیں۔ان میں اشاعت اسلام بالعموم سید عبدالقادر ولی کی تبلیغی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔(۱۱۷)

۱۵۷۰ میں آپ کا انتقال ہوا۔تنجور کے راجہ نے آپ کا مقبرہ تعمیر کروایا۔

پیر معبری (۷۰۳ھ/۱۳۰۴ء)

پیر معبری کی تبلیغی کوششوں کا مرکز بیجاپور کا علاقہ رہا۔ اور انہوں نے خاص طور پر کسانوں میں کام کیا۔ان کی کوششوں سے متعدد کسانوں نے اسلام قبول کیا۔(۱۱۸)

شیخ صوفی سرمست (۶۸۰ھ/۱۲۸۱ء)

شیخ صوفی سرمست نام کے ایک بزرگ سکرشاہ پور میں مقیم تھے۔ وہاں کے راجہ نے ان کی مخالفت کی اور ان کا معاشی بائیکاٹ کردیا۔ اس کے بعد ان کی باہم جنگ ہوئی، جس میں راجہ مارا گیا۔ اس کے بعد وہ اہل شہر کے ساتھ صلح وامن کے ساتھ رہنے لگے۔

شیخ صوفی سرمست نے اپنے چند ساتھیوں کوتلی کوٹ کے علاقہ میں بھیجا تاکہ وہاں اشاعت اسلام کریں۔ لیکن ہندوؤں نے ان کی مخالفت کرکے ان کو شہید کرڈالا۔ (۱۱۹)

شیخ برہان الدین (۷۳۷ھ/۱۳۳۷ء)

دکن میں شیخ برہان الدین کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی۔ شہر برہان پور آپ کے نام پر آباد ہے۔ آپ کی وفات ۱۳۳۱ء میں ہوئی۔ ان کی تبلیغی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے:

> از مریدان سلطان المشائخ اند و حضرت، ایشاں رابه طرف برہان پور و دولت آباد بجہت رواج اسلام وارشاد ساکنان آں حدود فرستادند و شیخ حسن دہلی را بابعضے از مریدان خودباایشاں ہمراہ کردند و ازبرکت قبول ایشاں اکثرے آں جماعت بشرف اسلام مشرف گشته و مرید و معتقد گشتند (۱۲۰)
>
> ''سلطان المشائخ کے مریدوں میں سے ہیں۔ ان کو حضرت نے برہان پور اور دولت آباد کی طرف اسلام کی اشاعت اور وہاں کے باشندوں کی ارشادوہدایت کے لیے بھیجا اور شیخ حسن دہلی کو اپنے بعض مریدوں کے ساتھ ان کے ہمراہ کیا۔ ان کی برکت سے وہاں کے بہت سے لوگ مشرف باسلام ہوگئے۔''

شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی (۱۱۴۰ھ/۱۷۲۷ء)

شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی دورآخر کے ایسے صوفی ہیں جن کی فکر کا محور اشاعت اسلام اوراعلائے کلمۃ الحق تھا۔ انہوں نے خود بھی اس کے لیے کوشش کی اور دیگر علماء وصوفیہ خاص طور پر اپنے مریدین کو تلقین کی کہ اشاعت اسلام کے لیے کوشش کریں۔ چناں چہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

به هر حال دراعلاء کلمة الحق کوشید و از شرق تا غرب همه اسلام حقیقی بر کنید (۱۲۱)

''ہر حال میں کلمۃ الحق کی سر بلندی کے لیے کوشش کیجیے اور مشرق سے مغرب تک ہر جگہ اسلام حقیقی قائم کیجیے۔''

ایک اور خط میں لکھا ہے:

اکنوں ایں امر است ہرجاکہ باشید در اعلائے کلمة الحق باشید و جان و مال صرف ایں کار کنید (۱۲۲)

''اب یہ ضروری ہے کہ جہاں رہیں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جدوجہد کریں اور اس راہ میں جان ومال کی قربانی دیں۔''

وہ کاردعوت کی اہمیت کے پیش نظر دنیاوی عیش وآرام کو بھی تج دینے کی بات کہتے ہیں:

فیض دینی و دنیاوی بعالم رسانند و ہمہ حلاوت و عیش خود را فدائے آن بندگان باید کرد۔ (۱۲۳)

''دنیا کو دینی اور دنیاوی فیض پہنچائیں۔ اپنے تمام عیش وآرام کو ان بندوں کے لیے قربان کرنا چاہیے۔''

شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی نے اپنے مریدوں کو لکھا کہ وہ ہندوؤں کو بھی مرید کریں اور ان کو ذکر کی تلقین کریں۔ اس کی فکر زیادہ نہ کریں کہ لوگ پہلے رسمی طور پر مذہب تبدیل کریں، پھر ان کو ذکر کی تلقین کی جائے۔ ذکر خود ایک نور ہے۔ اس کی برکت سے اسلام کی صورت بھی دلوں میں راسخ ہو جائے گی۔ البتہ ایک مرحلہ تک پہنچنے کے بعد اسلام کا اظہار اور اعلان بھی ضروری ہے۔ اس لیے انہوں نے بعض نومسلموں کے بارے میں سختی سے لکھا ہے کہ وہ اسلام کا اظہار کریں۔ اب صرف باطنی طور پر اسلام قبول کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ اس کا اعلان و اظہار بھی ضروری ہے۔ چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

ودیگر مرقوم بود بھیا دیارام و ہندو ہائے دیگر بسیار درربقۂ اسلام درآمدہ اند امابامردم قبیلہ پوشیدہ می مانند برادر من! اہتمام نمایند کہ آہستہ آہستہ ایں امر جلیل از بطون بہ اظہار انجامد (۱۲۴)

''مزید لکھا تھا کہ بھیا دیارام اور دوسرے بہت سے ہندو اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے ہیں، لیکن اپنے اہل قبیلہ سے اپنا اسلام پوشیدہ رکھتے ہیں۔ میرے بھائی اس کا اہتمام کیجیے کہ یہ عظیم الشان کام ظاہر ہو جائے۔''

شیخ کلیم اللہ کے ہاتھ پر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اور شیخ نے اپنے مریدین کا جو نظم قائم کیا تھا اس کے ذریعہ بھی اسلام کی اشاعت ہوئی۔ خاص طور پر شاہ فخر الدین (متوفی ۱۱۹۹ء) کے ہاتھ پر بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا تھا۔

حاجی وارث علی شاہ

حاجی وارث علی شاہ دور آخر کے ان صوفیہ میں ہیں جن کو عالم گیر شہرت حاصل ہوئی۔ یورپ، افریقہ اور ایشیا کے بیشتر ممالک میں ان کے مریدین تھے۔ سلطان ترکی ان کا احترام کرتے تھے۔ ان کے مریدوں میں ہندو مسلمان سب ہوا کرتے تھے اور آج بھی بڑی تعداد میں ہندو ان کے عقیدت مند ہیں۔ خواجہ حسن نظامی نے لکھا ہے کہ ان کے ہاتھ پر ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ (۱۲۵) بطور مثال چند ناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کول کا ایک ہندو وکیل ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ اسی طرح اسپین کا باشندہ ایک تاجر ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوا، جس کے تعلقات سر عبد القادر بیرسٹر سے تھے۔ روس کے رہنے والے بعض تاجروں نے بھی ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ (۱۲۶)

میاں محمد شیر

حاجی وارث علی شاہ کے معاصر پیلی بھیت میں میاں محمد شیر تھے۔ ان کی تعلیم و تلقین سے بھی بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ (۱۲۷)

شاہ محمد سلیمان پھلواری (۱۳۵۴ھ/۱۹۳۶ء)

شاہ محمد سلیمان پھلواری کے ارشادات سن کر بہت سے ہندو مسلمان ہوئے۔ بنگال میں سید عبد الحئی اور ان کے صاحب زادے مولانا عبد القادر کی تعلیم و تلقین سے بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ (۱۲۸)

رفاعی فقراء

رفاعی فقراء مداری فقراء کی طرح مختلف طرح کے کرتب لوگوں کو دکھاتے ہیں۔ جیسے آگ ہاتھ پر لے لینا یا آگ پر چلنا یا زہر پی جانا یا ہتھیاروں کا ان پر اثر نہ کرنا وغیرہ۔ خواجہ حسن نظامی نے لکھا ہے کہ میں نے سید حمزہ رفاعی سے ان اعمال کے بارے میں کہا کہ ان سے اسلام کی بدنامی ہوتی ہے۔ حمزہ رفاعی نے بتایا کہ یہ اعمال دراصل ہم لوگوں کو اسلام کے قریب لانے کے لیے کرتے ہیں۔ (۱۲۹)

راجہ موتی سنگھ کا قبولِ اسلام

علاقہ مالوہ کی ایک دیسی ریاست راج گڑھ کے راجہ موتی سنگھ کا قبولِ اسلام بھی اہم واقعہ ہے۔ یہ واقعہ ۱۸۷۴ میں پیش آیا جب ہندستان پر برطانوی حکومت تھی۔ اس کے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ ایک مرتبہ شکار کو جارہا تھا۔ راستہ میں اس کی نظر ایک مسلمان نداف پر پڑی۔ راجہ کا یہ وطیرہ تھا کہ تین پہر دن چڑھے سے قبل اگر کسی مسلمان پر نظر پڑ جائے تو اس کو بدشگونی پر محمول کرتا تھا۔ اس لیے راجہ نے اس نداف کو پٹوایا۔ وہ نداف تو شہر چھوڑ کر چلا گیا، لیکن راجہ کو دردشکم شروع ہوا اور جب مسلسل علاج سے بھی افاقہ نہیں ہوا تو کسی کے توجہ دلانے پر ایک فقیر کے یہاں حاضری دی۔ صبح کا وقت راجہ کا خادم فقیر کی کٹیا میں گیا تو فقیر نے ازراہ تفنّن کہا کہ ہم ایک پہر دن چڑھے سے قبل کسی مشرک کا چہرہ نہیں دیکھتے۔ راجہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے فقیر سے معافی مانگی۔ فقیر نے دعا دی۔ اس کی دعا کا اثر یہ ہوا کہ راجہ کا مرض دور ہوگیا۔ اس کے بعد راجہ اکثر و بیشتر اس فقیر کی خدمت میں آنے لگا اور نیک صحبت کی برکت سے چند ماہ بعد مسلمان ہوگیا۔

اخبارات کے ذریعہ یہ خبر پورے ملک میں پھیل گئی۔ متعدد سرکردہ ہندوؤں نے راجہ کو معطل کرنے کا مطالبہ کیا۔ لیکن حکومت برطانیہ نے مذہب میں مداخلت نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور راجہ موتی سنگھ کی خواہش کے مطابق ان کا نیا نام عبدالواسع منظور کر کے راجہ کے بجائے نواب کا خطاب دیا۔ (۱۳۰)

حواشی

١- اخبار الاخیار،١٨٣
٢- دعوتِ اسلام،٢٨٦
٣- دعوتِ اسلام،٢٨٦
٤- دعوتِ اسلام،٢٨٦
٥- Indian Muslims who are They p.74
٦- Indian Muslims who are They p.74
٧- دعوتِ اسلام،ص٢٨٠
٨- برصغیر میں اشاعت اسلام میں علماء کا حصہ،از پروفیسر یسین مظہر صدیقی تحقیقاتِ اسلامی جلد٦، شمارہ١ص٩٥
٩- Indian Muslims who are They p.114
١٠- ہندتو (ہندی) از رام داس گوڑ،ص٣-٤٢-٧
١١- History of Islam Bangal p.vol.1, p.782
١٢- مروج الذہب،ص٢/٨٦، ہندستان عربوں کی نظر میں،ص١/٩-٣١٠، آبِ کوثر،ص٧٧
١٣- الکامل فی التاریخ،ص٩/٣٣،١٢/١٠٥، الکامل میں لکھا ہے:

ومن جملة عسکره عدة امراء مسلسین کانوا فی تلك البلد اباً عن جد من ایام السلطان محمود بن سبکتگین یلازمون شریعة الاسلام ویواظبون علی الصلوٰة وافعال الخیر۔ ''اس کی فوج میں متعدد مسلمان امراء بھی تھے جو اس علاقے کے پشتینی باشندے تھے اور سلطان محمود غزنوی کے زمانے سے اس علاقہ میں رہ رہے تھے، وہ شریعت پر عمل کرتے تھے۔ نماز پڑھتے تھے اور اچھے کام کرتے تھے۔''

١٤- مکتوبات شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی،ص٤٧،م٩٦
١٥- نافع السالکین،ص١٦
١٦- فخر الطالبین،ص٣٥
١٧- فوائد الفواد،ص١٨٢
١٨- شونیہ پران،بحوالہ برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ،ص٨٤
١٩- فوائد الفواد، خیر المجالس، افضل الفواد، جوامع الکلم وغیرہ ملفوظات کے مجموعوں اور صوفیہ کے تذکروں میں بالعموم کرامات اور خرق عادت واقعات کے ذریعہ دعوت اسلام کا تذکرہ ملتا ہے۔ بعض معقولیت پسند مصنّفین محض اس بنا پر ان کا انکار کردیتے ہیں کہ یہ فہم سے بالاتر یا خلافِ عقل

ہیں، اسی لیے ان واقعات کی صداقت بھی مشکوک سمجھی جاتی ہے۔ حالانکہ ایسا سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ انبیاء کے معجزات بھی خرق عادات کے قبیل کے ہوتے ہیں۔ انبیاء کو چونکہ معجزات عطا کیے جاتے ہیں، اسی لیے ان کی دعوتی اہمیت کو سب تسلیم کرتے ہیں اور کرامات کی دعوتی اہمیت پر شک کی نگاہ اٹھتی ہے۔ یہ درست ہے کہ کرامت اور معجزہ میں جوہری نوعیت کا فرق ہے اور کرامت کسی بھی طرح معجزہ کے مماثل قرار نہیں دی جاسکتی، لیکن پھر بھی کرامات ہماری تاریخ اور روایت کا ایک جز ہیں۔ بعض صحابہ کے واقعات سے بھی کرامت یا خرق عادت واقعات کی دعوتی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک روایت میں ہے:

''حضرت ابوامامہ باہلی سے مروی ہے کہ مجھے اپنی قوم کی طرف باہل بھیجا گیا۔ میں وہاں پہنچا تو لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ خون کھا رہے تھے (''یاکلون دما'')۔ انہوں نے میرا اعزاز کیا اور کہا کہ صدی بن عجلان کو خوش آمدید ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ تم صابی ہو گئے ہو۔ میں نے کہا نہیں۔ لیکن میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا ہوں۔ مجھے رسول اللہؐ نے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ میں تم کو اسلام اور اس کے احکام بتاؤں۔ انہوں نے مجھ کو کھانے کی دعوت دی۔ میں نے کہا کہ میں تم کو اس سے منع کرنے کے لیے آیا ہوں اور میں اللہ کے رسول کا قاصد ہوں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں انہوں نے مجھے جھٹلایا اور برا بھلا کہا۔ میں نے کہا میں سخت پیاسا ہوں مجھے پانی پلاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم تم کو پیاسا مارنا چاہتے ہیں۔ میں وہاں سے چل دیا۔ میں بہت بھوکا اور پیاسا تھا۔ میرے اوپر سخت تکان طاری ہوگئی۔ میں نے اپنے سر کو عمامہ سے باندھا اور سو گیا۔ خواب میں مجھے دودھ پلایا گیا۔ میں نے پیا اور سیراب ہوا۔ میرا پیٹ پھول گیا (بھر گیا)۔ لوگوں نے وہاں سے میرے آنے کے بعد آپس میں کہا کہ تمہاری قوم کا ایک شریف آدمی تمہارے پاس آیا تم نے اس کو لوٹا دیا۔ جاؤ اور اس کو حسب خواہش کھلاؤ پلاؤ۔ وہ میرے پاس کھانا لے کر آئے۔ میں نے کہا مجھے تمہارے کھانے کی حاجت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے کھلا پلا دیا۔ میرا حال دیکھو۔ انہوں نے میرا حال دیکھا تو وہ میرے اوپر اور جو کچھ میں اللہ کے رسول کے پاس سے لایا تھا اس پر ایمان لے آئے۔ (طبرانی کبیر نمبر ۸۰۹۹، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ازالبانی)

۲۰۔ فوائد الفواد، ص ۱۳۵

۲۱۔ " " "

۲۲۔ مکتوبات کلیمی، ص ۲۵ خط ۲۱

۲۳- فخر الطالبین، ص ۳۴، ۳۵

۲۴- ملفوظات شاہ عبدالعزیز، ص ۱۱

۲۵- مکتوبات کلیمی، ص ۳۱

۲۶- مکتوبات کلیمی، ص ۳۱

۲۷- اخبار الاخیار، ص ۲۷۳

۲۸- آبِ کوثر، ص ۷-۷۶

۲۹- خزینۃ الاصفیاء، ص ۱/۴۵۳

۳۰- ہندستان اسلام کے سائے میں، ص ۲۰۰

۳۱- ہندستان اسلام کے سائے میں، ص ۲۰۰

۳۲- ہندستان اسلام کے سائے میں، ص ۲۰۱-۲۰۳

۳۳- آبِ کوثر، ص ۲۶۸

۳۴- جالندھر گزیٹر، ص ۱۲۴، آبِ کوثر، ص ۴-۸۲

۳۵- آبِ کوثر، ۸۲

۳۶- آبِ کوثر، ص ۲۷۶، دائرۃ المعارف الاسلامیہ، ۲/۱

۳۷- آبِ کوثر، ص ۲۷۶، بحوالہ بھاولپور گزیٹر

۳۸- مجمع شعرا، جہانگیری، ص ۲۶۔ بحوالہ شیخ سنجان از پروفیسر نذیر احمد، مشمولہ غالب نامہ، دہلی، ص ۱۶۰

۳۹- آبِ کوثر، ص ۲۰۲

۴۰- سیر العارفین، ص ۱۳

۴۱- سفینۃ الاولیاء، ص ۱۳

۴۲- سیر الاولیاء، ص ۱۲۹-۱۳۰ (اردو ترجمہ از اعجاز الحق قدوسی)

۴۳- ثنائے محبوب خالق مصنفہ شیخ ابراہیم آزاد پر۔ جناب مغیث احمد صمدانی کا مقدمہ ص ۲

۴۴- دعوتِ اسلام، ص ۲۷۹

۴۵- اخبار الاخیار، ص ۴۷

۴۶- تاریخ فرشتہ، ص ۲/ ۳۷۷

۴۷- تاریخ اجمیر، ص ۴۸

۴۸- آبِ کوثر، ص ۲۵۵، انوارِ غوثیہ، ص ۴۹

۴۹- آبِ کوثر، ص ۲۵۵، انوارِ غوثیہ، ص ۴۹

۵۰- آبِ کوثر، ص ۲۵۵، انوارِ غوثیہ، ص ۴۹، بحوالہ تاریخ معصومی

۵۱- آبِ کوثر، ص۲۲۱
۵۲- Islam and Muslims in south asia p.p.1
۵۳- آبِ کوثر، ص۲۲۲، بحوالہ گزیٹر
۵۴- تذکرہ سادات التجاریہ، منقول از دعوتِ اسلام، ص۲۷۹
۵۵- فوائد الفواد، ص۱۸۲
۵۶- فوائد الفواد، ص۱۳۵
۵۷- فوائد الفواد، ص۱۳۵
۵۸- آبِ کوثر، ۲۴۶
۵۹- گلزار ابرار، ص۱۱۳
۶۰- آبِ کوثر، ص۳۱۹
۶۱- تاریخ صوفیائے گجرات، ص۱۲۸-۱۳۰
۶۲- گلزارِ ابرار، ص۵۹، اخبار الاخیار، ص۶۷
۶۳- ہندستان اسلام کے سائے میں، ص۲۱۶
۶۴- جوامع الکلم، ص۱۲۰
۶۵- جوامع الکلم، ص۱۱۹
۶۶- دعوتِ اسلام، ص۲۶۹
۶۷- آبِ کوثر، ص۳۷۳
۶۸- آبِ کوثر، ص۲۷۳
۶۹- آبِ کوثر، ص۳۷۳
۷۰- آبِ کوثر، ص۳۷۳
۷۱- آبِ کوثر، ص۳۷۳
۷۲- دعوتِ اسلام، ص۲۸۰
۷۳- آبِ کوثر، ص۲۶۴، حالاتِ بزرگانِ بھاولپور، ص۱۰۳-۱۰۶
۷۴- آبِ کوثر، ص۲۸۹
۷۵- آبِ کوثر، ص۲۶۷
۷۶- آبِ کوثر، ص۲۸۱
۷۷- آبِ کوثر، ص۲۸۱
۷۸- آبِ کوثر، ص۲۸۱

۷۹- آبِ کوثر، ص۲۸۳
۸۰- آبِ کوثر، ص۲۸۳
۸۱- آبِ کوثر، ص۲۸۳
۸۲- آبِ کوثر، ص۲۸۳، نیز انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن ۱۹۴۶
۸۳- آبِ کوثر، ص۲۸۹
۸۴- تاریخ سندھ، ص۳۲۹
۸۵- تاریخ سندھ، ص۳۲۹
۸۶- تاریخ فیروز شاہی، ص۲-۲۴۱
۸۷- تاریخ فرشتہ، ص۲/ ۳۱۷
۸۸- تاریخ فرشتہ، ص۲/ ۳۱۷
۸۹- آبِ کوثر، ص۲۸۳
۹۰- اخبار الاخیار، ص۱۷۲
۹۱- آبِ کوثر، ص۳۷۶
۹۲- آبِ کوثر، ص۳۷۶
۹۳- آبِ کوثر، ص۳۷۶
۹۴- آبِ کوثر، ص۳۷۶
۹۵- آبِ کوثر، ص۳۷۶
۹۶- برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص۶۴
۹۷- شرف الدین یحییٰ منیری: احوال وافکار، ص۴۳
۹۸- شرف الدین یحییٰ منیری: احوال وافکار، ملخص ص۹۴، ۹۵
۹۹- مآثر الامراء، ص۲/ ۱۷۰
۱۰۰- اخبار الاخیار، ص۲۳۱
۱۰۱- دعوتِ اسلام، ص۲۷۵
۱۰۲- دعوتِ اسلام، ص۲۷۵، تاریخ صوفیائے گجرات، ص۵۰
۱۰۳- گلزارِ ابرار، ص۵۶
۱۰۴- فوائد الفواد، ص۳-۱۳۲، خیر المجالس، ص۲-۱۹۱
۱۰۵- جوامع الکلم، ص۱۵۷
۱۰۶- جوامع الکلم، ص۱۵۷

۱۰۷- جوامع الکلم، ص ۱۵۷
۱۰۸- گلزارِ ابرار، ص ٥٦
۱۰۹- History of Muslims in Bangal vol.1, Part II, p.773
۱۱۰- آبِ کوثر، ص ۳۰۳
۱۱۱- آبِ کوثر، ص ۳۰۳
۱۱۲- شونیہ پران، بحوالہ برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ، ص ۸
۱۱۳- برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ، ص ۸
۱۱۴- دعوتِ اسلام، ص ۲٦٦
۱۱۵- آبِ کوثر، ص ۳۵۸
۱۱٦- قادر حسن خاں، ضلع مدراس گزیٹر، ص ۳۹-۳۴، دعوتِ اسلام، ص ۲٦۷
۱۱۷- آبِ کوثر، ص ۳۵۹
۱۱۸- دعوتِ اسلام، ۲٦۳
۱۱۹- آبِ کوثر، ص ۳٦۱
۱۲۰- سفینۃ الاولیاء، ص
۱۲۱- مکتوباتِ کلیمی، ص ٦۲ مکتوب نمبر ۸۰
۱۲۲- مکتوباتِ کلیمی، ص ٦۲ مکتوب نمبر ۲۱
۱۲۳- مکتوباتِ کلیمی، ص ٦۰ مکتوب نمبر ۷۵
۱۲۴- مکتوباتِ کلیمی، ص ۲۵ مکتوب نمبر ۲۱
۱۲۵- فاطمی دعوتِ اسلام، ص ۱۲۵
۱۲٦- فاطمی دعوتِ اسلام، ص ۱۲۵
۱۲۷- فاطمی دعوتِ اسلام، ص ۱۲۹
۱۲۸- فاطمی دعوتِ اسلام، ص ۱۲۸
۱۲۹- فاطمی دعوتِ اسلام، ص ۱۲۸
۱۳۰- ہندستان اسلام کے سائے میں، ص ۲۵۹

علماء کی تبلیغی خدمات

تمہید

ہندستان میں اسلام کی آمد اولاً ان عرب تاجروں کی رہین منت ہے جن میں بعض روایتوں کے مطابق خود صحابہ کرامؓ بھی شامل تھے۔ وہ مالا بار اور گجرات کے ساحلوں پر بہ غرض تجارت آتے تھے بلکہ زمانہ جاہلیت سے ان سواحل پر عربوں اور ایرانیوں کی بستیاں موجود تھیں، جو اسلام کی آمد کے بعد بھی قائم رہیں۔

گجرات کے سواحل کھمبایت، صیبہور (بمبئ کے قریب جاؤل نام کا ایک مقام) وغیرہ سے بھی مسلمانوں کے روابط بالکل ابتدائے عہد اسلامی سے رہے۔ سلیمان صیرافی (۸۴۹ء) اور مسعودی (م ۹۱۵ء) نے ہندستان کے سواحلی شہروں میں مسلمانوں کی بڑی تعداد کا تذکرہ کیا ہے۔ معبر (مدراس) میں ۷۱ ہجری کے سکے ملے ہیں۔ (۱) بمبئ کے علاقہ میں حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ایک مہم بھیجی گئی جس نے تھانے تک کا علاقہ فتح کرلیا لیکن ابتدائی کامیابیوں کے بعد اسے واپس بلالیا گیا۔ (۲)

سندھ سے عربوں کی آویزش عہد خلفاراشدین میں ہی شروع ہوگئی تھی۔ چنانچہ، حضرت عمرؓ نے ایک مہم مکران کے خلاف روانہ کی تو ایرانیوں نے ان کا مقابلہ کیا اور سندھ کے راجہ نے مدد کی تھی۔ (۳)

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے بالکل ابتدائی عہد میں ہندستان کے مختلف گوشوں خاص طور پر سواحلی علاقوں میں مسلمان آباد تھے اور پہلی صدی ہجری کے اواخر تک مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ بھی بمبئ کے علاوہ گجرات، راجستھان اور سندھ کے علاقوں تک وسیع ہوگیا تھا۔

راجستھان میں مارواڑ ۱۰۱ھ/ ۲۰ء میں فتح کیا گیا (۴) لیکن کچھ عرصہ بعد یہ علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور پھر مرکز کے دگرگوں حالات کی بنا پر مزید پیش قدمی کئی صدیوں تک موقوف رہی۔

برصغیر میں اشاعتِ اسلام کی تاریخ کا جائزہ لینے سے ایک دلچسپ پہلو یہ ابھر کر سامنے آتا ہے کہ مسلم حکومت کے عہد عروج میں تبدیلی مذہب کے واقعات کم ہوئے اور عہد زوال میں اسلام کی اشاعت بڑی تیزی سے ہوئی۔ آرنلڈ نے Preaching of Islam میں لکھا ہے:

''گزشتہ سالوں میں بہت سے مبلغین اسلام نے اپنے دین (اسلام) کو ہندستان میں پھیلانے کی کوشش کی ہے اور ان کو اس کام میں خاص کامیابی حاصل ہوئی۔ خصوصاً انیسویں صدی کے نصف ثانی میں تبلیغی کوششوں میں ایک نئی جان آئی ہے اور ہندستان میں جتنے لوگ ہر سال مسلمان ہوتے ہیں، ان کی تعداد دس ہزار، پچاس ہزار، ایک لاکھ بلکہ چھ لاکھ تک تخمینہ کی گئی ہے۔'' (۵)

تبدیلی مذہب کے زیادہ تر واقعات وہاں پیش آئے جہاں مسلمان حکمراں نہیں تھے۔ کشمیر میں ہندو راجہ نے اسلام قبول کیا۔ بنگال جو پایہ تخت سے ہمیشہ دور رہا اور اس پر مسلم حکمرانوں کی گرفت بھی کمزور رہی لیکن وہاں اسلام کی اشاعت زیادہ ہوئی بہ نسبت شمالی ہند کے جو پایہ تخت دہلی سے قریب تھا اور صدیوں مسلمانوں کے زیرنگیں رہا۔

بنگال میں بھی اشاعت اسلام مسلمانوں کے عہد عروج میں نہیں ہے بلکہ سب سے زیادہ انیسویں صدی میں ہوئی۔ پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی نے لکھا ہے:

''۱۸۸۱ کے لگ بھگ جب بنگال میں مسلم سیاسی اقتدار بالکل تباہ و برباد ہوگیا، اس وقت بنگال میں مسلمان اقلیت میں تھے۔ ۱۸۹۱ سے ان کی تعداد میں تیزی سے اضافہ شروع ہوا اور تقسیم ہند کی تاریخ تک وہاں مسلمانوں کی تعداد ساٹھ فیصد ہوچکی تھی۔'' (۶)

اس دور زوال کی تبلیغی مساعی کا سہرا زیادہ علما کے سر جاتا ہے۔ انھوں نے اس عہد میں بڑی تندہی اور محنت سے اسلام کی اشاعت کے لیے جدوجہد کی اور ان کی قابل قدر کاوشیں بارآور ہوئیں۔

علمائے اسلام کی تبلیغی جدوجہد کے سلسلے میں قدیم ترین حوالہ غالباً الور (سندھ کا ایک مقام) کے ہندو راجہ کا قبول اسلام ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ الور کے ہندو راجہ مہروک بن رائک کو قرآن مجید کے سمجھنے کا شوق ہوا۔ اس نے منصورہ کے حاکم عبداللہ بن عمر بن عزیز الھباری سے درخواست کی کہ وہ کوئی مسلمان عالم بھیج دیں جو قرآن کے مطالب بیان کرے۔ انھوں نے ایک

عراقی عالم کو بھیج دیا۔ مذکورہ عالم جو مقامی زبان سے بھی واقف تھا، اس نے راجہ کے سامنے قرآن کا ترجمہ کیا، جسے سن کر راجہ مسلمان ہوگیا۔ بعض دیگر علماء نے بھی سندھ میں اشاعتِ اسلام کی کوشش کی لیکن ان کا تفصیلی تذکرہ نہیں ملتا۔ ایک عالم نے سندھی زبان میں اسلامی تعلیمات کا ترجمہ کیا۔ متعدد سندھی نژاد لوگ عرب گئے، اسلام قبول کیا اور ان میں سے بعض عالم اسلام کی برگزیدہ شخصیات میں شامل ہوئے۔

نسبتاً بعد کے زمانے میں ایک زبردست عالم شیخ اسماعیل لاہوری کا ذکر ملتا ہے جنھوں نے لاہور میں اسلام کی اشاعت کی۔ یہ واقعہ ۲۷۰ھ/۸۸۳ء کا ہے۔(۷)

شیخ اسماعیل لاہوری (۳۹۵ھ/۱۰۰۵ء کے بعد)

نسبتاً بعد کے زمانے میں ایک عظیم المرتبت مبلغ اسلام شیخ اسماعیل لاہوری کا نام ملتا ہے۔ شیخ اسماعیل ۱۰۰۵ء میں لاہور تشریف لائے۔ انھوں نے لاہور میں مجلس وعظ کا انعقاد کیا، جس میں مسلم اور غیر مسلم سبھی شریک ہوتے تھے۔ خزینۃ الاصفیا میں لکھا کہ شیخ کی مجلس وعظ میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے تھے۔ ان کے وعظ کے اثر سے نہایت قلیل عرصہ میں ایک ہزار لوگ مشرف باسلام ہوئے۔(۸)

رحمٰن علی نے تذکرہ علمائے ہند میں لکھا ہے:

> از عظماء مفسرین و محدثین بود اول کسے است کہ علم تفسیر و حدیث بہ لاہور آوردہ. ہزارہا مردم در مجلس وعظ وے مشرف باسلام شدند(۹)

"عظیم مفسر و محدث تھے، وہ پہلے شخص تھے جو تفسیر و حدیث کو لاہور لائے۔ ان کی مجلس میں ہزاروں لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔"

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بھی شیخ اسماعیل لاہوری کی غیر معمولی تبلیغی کوششوں کا اعتراف کیا ہے:

> "ان میں ایک شیخ اسمٰعیل تھے جو اس وقت لاہور پہنچ گئے تھے جب کہ محمود غزنوی نے ابھی اپنی طرف سے مسلم حاکم بھی مقرر نہیں کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک مبلغ کی حیثیت سے اس قدر کامیاب تھے کہ ان کے وعظ و تلقین سے ہزاروں ہندوؤں نے

اسلام قبول کیا۔صرف ایک جمعہ کوایک ہزار آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے اورانھوں نے تقریباًروزانہ سینکڑوں دلوں کونورِایمان سے منور کیا۔" (۱۰)

تذکروں میں بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مناظرہ ہوااور بعض ہندوایسے بھی تھے جن پر حقیقت واضح ہوگئی تو انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ایسے لوگوں میں ایک قدیم مثال بھوجر برہمن کی ہے۔بھوجر برہمن اپنے مذہب کے جید عالم تھے۔ ان کی مشہور کتاب امرت کنڈ ہنوز متداول ہے۔انھوں نے علی مردان خلجی (۱۲۱۳ء-۱۲۱۰ء) کے عہد میں قاضی رکن الدین سمرقندی سے مناظرہ کیااور قائل ہوکر اسلام قبول کرلیا۔(۱۱)

اس طرح کے اور بھی مناظروں کا تذکرہ ملتا ہے۔بعض مناظرے علما کے بجائے صوفیہ سے ہوئے تھے،ان کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

علما کی تبلیغی کاوشیں وعظ ومناظرہ یاافہام وتفہیم پر مبنی ہوتی تھیں لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت کے دورِعروج میں علمائے اسلام کی ترجیحات زیادہ تر دوسری قسم کی رہیں اور بہت کم علماء نے تبلیغ اسلام کوشعوری طور پر اپنی زندگی کانصب العین قرار دیا۔

اسماعیلی مبلغین

لیکن مسلمانوں کے عہدعروج میں علمائے اسلام کی توجہات تبلیغ اسلام کی طرف زیادہ نہیں تھیں البتہ عین اس دور میں جب صوفیہ کا وجود نہیں تھااور علما کی سرگرمیوں کے میدان دوسرے تھے،تبلیغی مساعی میں سب سے زیادہ کامیابی اسماعیلی مذہب کے داعیوں کو حاصل ہوئی۔انھوں نے محض اپنی تبلیغی مساعی کے ذریعہ دومرتبہ اپنی حکومت قائم کی۔اسماعیلی داعی اپنے افکار کی اشاعت کے لیے ہر ممکن ذریعہ اختیار کرتے تھے حتیٰ کہ غیر اسلامی ذرائع بھی اختیار کرتے۔ اسلامی شخصیات کو ہندو دیومالا کے روپ میں پیش کرتے جیسے حضرت علیؓ کو وشنو کا اَوتار کہتے اور حضرت محمدؐ کو برہما کا اوتار بتاتے وغیرہ۔اسی طرح اپنے نام تبدیل کرلیتے یا ایسے القاب و نام استعمال کرتے جو ہندی الاصل ہوں جیسے مکھیا وغیرہ۔(۱۲)

اسماعیلیوں کا پہلا داعی ہَیثَم نامی ۲۷۰ھ میں سندھ آیا اور اس نے اپنی تبلیغی مساعی کا آغاز کیا۔اس کے مخاطب ہندو اور مسلمان دونوں ہی رہے ہوں گے۔تقریباً سو سال کی کوششوں کے بعد جلم بن شیبان کے ماتحت یہاں اسماعیلی حکومت قائم ہوگئی۔

اسماعیلیوں کے اس بڑھتے ہوئے رسوخ کا بعض دوسرے لوگ شدت سے احساس کرنے لگے۔ چناں چہ کرامیہ فرقہ کے ایک مبلغ ابوبکر اسحاق (متوفی ۳۸۴/۹۹۳) نے اسماعیلیوں کی زبردست مخالفت کی۔ (۱۳) اندازہ ہوتا ہے کہ امیر ناصر الدین سبکتگین کو سندھ کے اسماعیلیوں کی سرکوبی کے لیے انھوں نے آمادہ کیا تھا۔ ناصر الدین ۹۹۷ میں فوت ہوگیا۔ اس کے بعد محمود غزنوی نے ۳۹۵/۱۰۰۵ میں ملتان کے اسماعیلی حاکم ابوالفتح داؤد کے خلاف تادیبی کارروائی کی اور اس کو مصالحت پر مجبور ہونا پڑا۔ نیز ملتان کا کچھ حصہ بھی چھوڑنا پڑا۔ اس حصہ کو محمود غزنوی نے سکھ پال نام کے ایک نومسلم کی ماتحتی میں دیا۔ (۱۴)

۳۹۹ھ/۱۰۰۹ء میں آنند پال کے خلاف جنگ کے دوران امیر ملتان کی بدعہدی کی وجہ سے سلطان محمود غزنوی نے ۴۰۱/۱۰۱۱ میں ملتان پر حملہ کیا اور اسماعیلی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ نیز اسماعیلی حاکم داؤد بن نصر بن حمید کو قید کر کے غزنی لے گیا۔ (۱۵)

ملتان پر اسماعیلیوں کی یہ پہلی حکومت تھی جو تقریباً ۳۵ سال قائم رہی۔ اس میں حکمراں عرب نژاد تھے، اور جیسا کہ ظاہر ہے اسماعیلیوں نے مقامی آبادی میں بھی اپنے افکار کی اشاعت کے ذریعہ خاصی تعداد میں اپنے حامی بنا لیے تھے۔

اس حکومت کے خاتمہ کے بعد بھی اسماعیلی مبلغوں نے اپنی تبلیغی مساعی جاری رکھیں اور جب غزنویوں کی حکومت کم زور ہوگئی تو اسماعیلیوں کو ایک مرتبہ پھر اقتدار کی بحالی ممکن نظر آنے لگی اور انھوں نے بالآخر ملتان کی حکومت حاصل کر لی، لیکن اس دفعہ یہ حکومت عربوں کی نہیں تھی بلکہ مقامی نسل کے نومسلموں کی تھی۔ اس سے یہ قیاس بے جا نہ ہوگا کہ زوال حکومت کے بعد اسماعیلیوں نے تبلیغ پر زیادہ توجہ دی اور تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں مقامی لوگوں کی اتنی جمعیت فراہم کر لی کہ اقتدار حاصل ہوگیا۔ دروزی خط جو ۱۰۳۱ء میں سندھ کے لیے روانہ کیا گیا تھا، اس وقت وہاں راجہ پال کی حکومت تھی اور وہی اس خط کا مخاطب بھی ہے۔ اس خط کے سرنامے میں لکھا ہے، ''ملتان اور ہندستان کے موحدوں کے نام عموماً اور شیخ ابن سومرہ راجہ پال کے نام خصوصاً۔''

اس خط میں آگے لکھا ہے ''اے معزز راجہ پال! اپنے خاندان کو اٹھا، موحدین اور داؤد اصغر کو سچے دین میں واپس لا... تمام اسماعیلی اپنے مذہب کی خاطر غزنویوں کے خلاف جنگ کے لیے کمربستہ ہو جائیں...(۱۶)

اس خط کے صرف ۳۰ سال بعد ۱۰۶۰ء میں اسماعیلیوں کی حکومت قائم ہوگئی تھی۔ یہ

اسماعیلی نسلاً سومرہ خاندان سے تھے۔ سومرے ہندی الاصل تھے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور بعض دیگر مؤرخین کی یہی رائے ہے۔ بعض لوگ جیسے ابوظفر ندوی وغیرہ سومرہ کو عربی الاصل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان کا استدلال اصلاً غلام علی آزاد بلگرامی کے اندراج پر مبنی ہے جو بہت کم زور اور غیر مستند ہے۔ ممتاز مؤرخین نے سومروں کو ہندی الاصل قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے لکھا ہے:

> ''اسماعیلیوں کو بدھ مت اور ہندومت سے اسماعیلی مذہب کے لیے نئے پیروکار حاصل کرنے میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہوگی۔ مثال کے طور پر سومروں کو لیجئے، جنھوں نے سندھ کے بہت سے علاقوں پر حکومت کی۔'' (۱۷)

ہوسکتا ہے کہ سومرہ خاندان دراصل ان محکوم ''مید'' قبائل پر مشتمل ہو جن کا تذکرہ مسعودی اور بلاذری وغیرہ میں ہے اور جو والیٔ منصورہ سے مسلسل برسرپیکار رہتے تھے۔ (۱۸)

سومرہ کے نومسلم ہونے کے اور بھی شواہد ہیں، مثلاً تاریخ طاہری میں بصراحت لکھا ہے کہ سومرہ پہلے ہندو تھے۔ (۱۹) دوسری بات یہ کہ ان کے نام عام طور پر ہندوانہ یا ہندستانی آمیز تھے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ان کے رسوم و رواج ہندوانہ تھے۔ آخری بات یہ ہے کہ وہ بالعموم ہندوانہ خطابات جیسے راجہ وغیرہ کا استعمال کرتے تھے۔

سومرہ کے عربی النسل ہونے کی کہانی غلام علی آزاد بلگرامی کی کتاب تحفۃ الکرام کا شگوفہ ہے۔ یہ کتاب انیسویں صدی کی تصنیف ہے۔ قدیم مراجع سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ اسماعیلی مبلغوں کی مساعی سے یہ قوم مسلمان (اسماعیلی) ہوئی اور اقتدار میں آنے کے بعد اسماعیلی داعیوں کی دست و بازو بنی۔ یقینی طور پر سومرہ حکمرانوں نے خاص طور پر اپنے ابتدائی عہد حکومت میں اسماعیلی مذہب کی تبلیغ و اشاعت پر زور دیا ہوگا اور اس عہد میں زیادہ توجہ مقامی آبادی کو مسلمان کرنے پر رہی ہوگی۔

سندھ میں اشاعت اسلام کے حوالے سے اسماعیلی مبلغوں کی یہ اہمیت ہے کہ انھوں نے عرب اور ترک حکمرانوں کے خلاف جمعیت فراہم کرنے کے لیے بڑی تعداد میں مقامی لوگوں کا تعاون حاصل کیا۔ یہ تعاون تبلیغ کے ذریعہ بھی حاصل کیا گیا ہوگا۔ یعنی تبلیغ و اشاعت کے ذریعہ ان کو اپنے مذہب میں داخل کیا۔

مقامی آبادی ابتداءً اسماعیلی مبلغوں کی کاوشوں کے نتیجہ میں ان کے مسلک کی پیروکار ہوگئی، اسماعیلی چوں کہ پختہ کار داعی تھے۔ نیز انھوں نے اپنے مسلک کو ہندستانی دیو مالا کے لبادے میں پیش کیا تھا، اس لیے لوگوں کو اسماعیلی ہونے میں چنداں دشواری نہیں ہوئی۔

اسماعیلیوں کا طریق تبلیغ

اسماعیلی مبلغوں نے دعوت اسلام کے لیے متعدد طریقے اختیار کیے، حتی کہ بعض ایسے طریقے بھی اختیار کیے جن کی اسلام میں اجازت نہیں۔ مثلاً انھوں نے اسلام تعلیمات اوتارواد کے اس لبادے میں پیش کیں، جو یہاں معروف تھا۔ انھوں نے حضرت محمدؐ کو برہما کے اوتار اور حضرت علیؓ کو وشنو کے اوتار کی شکل میں پیش کیا۔ باقی تعلیمات پر ہندوؤں کو کوئی اعتراض تھا بھی نہیں اس لیے وہ نہایت آسانی سے اس دین میں داخل ہو گئے اور واقعہ یہ ہے کہ ہندوؤں میں نئے دیوتاؤں کا اضافہ قابل تعجب بات بھی نہیں تھی۔ اس لیے ہندوؤں نے اسماعیلیوں کی مخالفت بھی کم کی ہوگی، چوں کہ وہ اسماعیلی مذہب کو بھی اپنے مذہب جیسا ہی سمجھتے ہوں گے۔ اس طرح مقامی آبادی آسانی سے اسماعیلی ہوگئی۔ اور اسماعیلی مذہب اختیار کرنے کے بعد ان کے لیے سنی مسلمان ہو جانا بہت آسان ہو گیا۔ چناں چہ محمود غزنوی اور مسعود غزنوی کی کاوشوں سے بعض اسماعیلی سنی مسلمان ہوئے جن میں ایک اہم نام داؤد اصغر یا ابوالفتوح داؤد کا ہے، جو ایک زمانہ میں اسماعیلی حکمراں تھا۔ محمود غزنوی کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور بعد میں صحیح العقیدہ مسلمان ہو گیا۔ دروزی خط میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ (۲۰)

اسماعیلی داعیوں نے سومرہ کے عہد عروج میں بھی اپنی تبلیغی مساعی جاری رکھیں، لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ سومرہ بہت جلد سنی ہونے لگے۔ اس کے باوجود سندھ میں اسماعیلی داعیوں کی جدوجہد جاری رہی، تاہم زیادہ لوگوں کے سنی ہو جانے کی وجہ سے ان کو پہلا سا مقام حاصل نہیں رہا۔ بلکہ ایسا بھی ہوا کہ بعض اسماعیلی داعیوں کو سندھ سے نکال دیا گیا۔ مثلاً ایک مبلغ جن کو اسماعیلیہ کے امام نے بھیجا تھا سندھ آیا مگر سومروں نے اس کو سندھ سے نکال دیا اور اس نے کاٹھیا واڑ میں جا کر پناہ لی۔ (۲۱)

اسماعیلیوں نے بھی غالباً یہ خیال کیا ہو کہ سندھ میں ان کے لیے اشاعت کی راہیں بہت محدود ہو چکی ہیں، اس لیے عجب نہیں کہ انھوں نے ہندستان کے دیگر علاقوں کو اپنی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنایا ہو۔ ان علاقوں میں گجرات خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

اسماعیلی مبلغوں کا طریقہ ایسا تھا کہ ان کو اپنا کام کرنے میں کہیں بھی دشواری نہیں ہوتی تھی، وہ جس علاقے میں ہوتے ویسا ہی نام رکھتے۔ انھی کی اصطلاحات میں گفتگو کرتے، انھی کا طرز بود و باش اختیار کر لیتے اور عقلی سطح پر کسی تبدیلی کے مقابلے میں صحبت کے ذریعہ لوگوں کو اپنے قریب کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس طرح ان کو کسی بھی ماحول میں اپنا کام کرنے میں دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ سندھ میں بھی انھوں نے اپنی اس حکمت عملی پر عمل کیا اور سندھ کے باہر گجرات میں بھی یہی طریقہ ان کے یہاں رائج رہا۔

نورست گرو

ایک اسماعیلی داعی جس کا نام غالباً داؤ دیا دادو تھا اس کے سندھ سے نکالے جانے کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے۔ اس نے کاٹھیاواڑ میں پناہ لی اور پھر اسی کو اپنی جدوجہد کی جولان گاہ بنایا۔ اس کے بعد قلعہ الموت سے ایک اور داعی بھیجا گیا جو نورست گرو کے نام سے معروف ہے۔ (۲۲) نورست گرو نے گجرات کے دار الخلافہ پٹن میں کام کیا۔ پھر ایران چلے گئے لیکن جلد ہی واپس آ کر نوساری اور اس کے قرب و جوار کے علاقے میں دعوتی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ نورست گرو گجرات کے ہندو راجہ سید ھاراج (۱۰۹۴ تا ۱۱۴۳) کے معاصر تھے۔ اسماعیلی روایات کے مطابق نوساری کے راجہ کی بیٹی سے اس کی شادی ہوئی۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس کے اثرات خاصے رہے ہوں گے۔

نورست گرو کرامات اور خرق عادت واقعات بھی دکھایا کرتے تھے۔ ان کی کوششوں سے وہاں کے کنبی، کہار اور کولی قوم کے لوگ جو گجرات کی پست اقوام میں شمار ہوتے تھے، مسلمان ہوئے۔ (۲۳)

نورست گرو کا اصلی نام سید سعادت یا نورالدین بتایا جاتا ہے۔ ممکن ہے سید سعادت نام ہو اور نورالدین لقب، اس کو نورست گرو کر لیا گیا تا کہ غیر مسلم اقوام کے درمیان کام کرنے میں آسانی ہو۔

نورست گرو چوں کہ اسماعیلی داعی تھے، اس لیے بعض لوگوں نے ان کو ایک دوسرے مبلغ نور ترک کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ نور ترک بھی بظاہر اسماعیلی مبلغ تھے اور رضیہ سلطانہ کے معاصر تھے، رضیہ سلطانہ کا زمانہ ۱۲۳۶ سے ۱۲۴۰ تک ہے، جب کہ نورست گرو ۱۰۹۴ تا ۱۱۴۳ میں گجرات آئے تھے۔ (۲۴) اس لیے یقینی بات ہے کہ یہ دو الگ الگ شخصیات ہیں۔

مولانا نور ترک

مولانا نور ترک کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ وہ بھی اسماعیلی داعی تھے۔انھوں نے دہلی کی حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے مسلح بغاوت کی تھی، اسی نور ترک کے اثرات نواح دہلی کے علاوہ سندھ اور گجرات پر بھی تھے اور انھوں نے غالباً مقامی باشندوں کے تعاون سے ہی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی تھی، جیسا کہ قاضی منہاج سراج نے طبقات ناصری میں لکھا ہے۔

مولانا نور ترک بھی نورست گرو کی طرح ایک داعی تھے۔ دنیا داری سے دور رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ لوگوں میں وعظ کہتے تھے۔ لوگ بڑی تعداد میں ان کا وعظ سنتے تھے۔ بہت سے صوفیہ بھی ان سے متاثر ہوئے۔ شیخ نظام الدین اولیاء نور ترک کی تعریف کیا کرتے تھے۔ فوائد الفواد میں ہے:

> ''مولانا نور ترک کی بابت ذکر شروع ہوا تو میں نے عرض کیا کہ بعض علماء نے اس کے مذہب کے بارے میں کچھ کہا ہے (اعتراض کیا)۔ فرمایا نہیں، آسمان سے جو پانی برستا ہے وہ اس سے بھی زیادہ پاکیزہ تھے۔ میں نے عرض کیا، میں نے طبقات ناصری میں لکھا دیکھا ہے کہ اس نے علماء شریعت کو ناصبی اور مرجی کہا ہے۔ فرمایا اسے علمائے شہر سے بڑا تعصب تھا۔ اس واسطے کہ وہ انھیں دنیا کی آلودگی سے آلودہ دیکھتا تھا اور اس واسطے علماء بھی اس سے مختلف چیزیں منسوب کرتے تھے...
>
> بعد ازاں مولانا ترک کی بابت فرمایا کہ آپ کی بارت میں بڑا زور تھا۔ لیکن آپ نے ہاتھ کسی کے آگے نہیں پھیلایا، جو کچھ کہتے علم و مجاہدہ کی قوت سے کہتے۔ آپ کا ایک غلام تھا جو آپ کو روز ایک درہم دیا کرتا تھا اور یہی آپ کی وجہ معاش تھی...
>
> بعد ازاں فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا ترک نے ہانسی میں وعظ کہا۔ اس وعظ کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس سرہ العزیز کی زبانی میں نے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے بارہا ان کی وعظ و نصیحت سنی تھی، جب وہ ہانسی پہنچے تو میں نے وہاں جا کر بھی آپ کی وعظ و نصیحت سننی چاہی۔ میں اس وقت پھٹے پرانے رنگ برنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور میری ان سے ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی لیکن میں جیسے ہی مسجد میں داخل ہوا تو مجھ پر نظر پڑتے ہی فرمایا کہ مسلمانو! اب سخن کا صراف آگیا ہے۔'' (۲۵)

مولانا نور ترک کا اسماعیلی داعی ہونا مبرھن نہیں ہے۔ بعض لوگ اسماعیلی بتاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ سنی داعی تھے۔

شاہ شمس سبزواری (۱۱۶۵ء)

مولانا نورترک کے علاوہ ایک نام شاہ شمس سبزواری کا ملتا ہے۔ ان کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ انھوں نے بھی اسماعیلی طریقہ دعوت کو جاری رکھا۔ پنجاب میں ہندوؤں کی ایک جماعت کا تذکرہ شیخ اکرام نے کیا ہے جو آغا خان کو اپنا دیوتا تسلیم کرتی تھی اور شاہ شمس کے نام پر اپنے کو شمسی لکھتی تھی۔(۲۶) یہ جماعت غالباً ان کی ہوگی جو آپ کے زیر اثر تھے لیکن پورے طور پر اسلام (اسماعیلی) میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ شاہ شمس کو بعض لوگ صوفیہ میں شمار کرتے ہیں لیکن اکثریت اس کی قائل ہے کہ وہ اسماعیلی مبلغ تھے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے ان کی تاریخ وفات ۱۱۶۵ لکھی ہے۔(۲۷)

شیخ اکرام نے آبِ کوثر کے حاشیہ میں لکھا ہے:

> ''چشمۂ کوثر کی پہلی اشاعت پر ایک معمر بزرگ نے اپنی خوش نودی کا اظہار کرتے ہوئے ایک شکایت کی کہ افسوس ہے کہ آپ نے سرکار ملتان حضرت شمس تبریز کا ذکر تک نہیں کیا حالاں کہ میرے بزرگ حضور شمس تبریز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلمان کردہ ہیں۔(۲۸)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کم از کم ملتان شمس سبزواری کی تبلیغی مساعی کا مرکز رہا تھا۔ شیخ اکرام نے ان بزرگ کے خانوادے کا تذکرہ نہیں کیا ورنہ یہ اس پر مزید روشنی پڑتی کہ اس علاقہ میں ان کی کیا خدمات رہی ہیں۔

پیر صدرالدین (۷۱۷ھ/ ۱۳۱۸ء)

اس عہد کی سب سے زیادہ مشہور شخصیت پیر صدرالدین کی ہے۔ پیر صدرالدین کے بارے میں بھی یہ مشہور ہے کہ وہ اسمٰعیلی تھے۔ تاہم انھوں نے اپنے آپ کو سنی ظاہر کیا، چنانچہ ان کے ماننے والے خاصے لوگ سنی ہیں۔ البتہ آغا خانی ان کو شیعہ اسمٰعیلی کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ پیر صدرالدین دراصل تقیہ کرتے تھے۔ اسماعیلیوں کے زوال پذیر اثر کو از سر نو قائم کرنے کے لیے شدید جدوجہد کی۔ انھوں نے ایک کتاب 'دس اوتار' کے نام سے لکھی، جس میں آدم کو شیو کا اور حضرت محمدؐ کو برہما کا اوتار بتایا گیا اور حضرت علی کو وشنو کا اوتار بتایا گیا ہے۔ سندھ گزیٹر سے

اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب ایک برہمن کی مدد سے لکھی گئی تھی۔ (۲۹) اس کتاب کی تصنیف کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے عقائد وتصورات جو ہندستانی ذہن کے لیے بالکل اجنبی ہیں ان کے لیے قابل قبول ہوجائیں اور اس طرح غیر مسلموں کے درمیان سے اسماعیلیوں کو نئی قوت مل جائے۔

پیر صدرالدین نے پنجاب کو اپنا مرکز بنایا۔ غیر مسلموں میں تبلیغی کام کو منظم کرنے کے لیے اس کے تین مراکز قائم کیے۔ خاص بات یہ ہے کہ ان مراکز کے منتظمین مقامی باشندے بنائے گئے۔ مثلاً پنجاب میں سیٹھ شام داس لاہوری، کشمیر میں سیٹھ تلسی داس اور سندھ میں ٹریکم اس جماعت کے اعلیٰ نظماء تھے۔ (۳۰) یہ لوگ یقینی طور پر نومسلم رہے ہوں گے اور اسماعیلی طریقہ تبلیغ کے زیر اثر ان کے اصل نام تبدیل نہیں کیے گئے ہوں گے۔

پیر صدرالدین کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اکثر ہندوؤں کے درمیان رہتے تھے اور ہندو انھیں پچھرناتھ کہتے تھے۔ (۳۱) یہ نام شاید انھوں نے خود ہندوؤں کی سہولت کے لیے اختیار کیا ہو۔

پیر صدرالدین کا قائم کردہ نظم آج بھی آغاخانیوں میں قائم ہے اور پیر صدرالدین کے حوالے سے خوجوں اور آغاخانیوں میں بعض مقدمات وغیرہ کی نوبت بھی آچکی ہے۔

پیر صدرالدین نے بہت سے ہندوؤں کو مسلمان کیا، سندھ کے بہت سے خوجے ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ (۳۲)

پیر صدرالدین نے ۱۱۸ سال کی طویل عمر پاکر ۱۳۱۸ھ میں انتقال کیا۔ (۳۳)

کبیر الدین حسن دریا (۸۹۶ھ/۱۴۹۰ء)

پیر صدرالدین کے چار بیٹے تھے۔ باپ کے مشن کو انھوں نے بھی جاری رکھا جن کے نام ہیں کبیر الدین حسن، ظہیر الدین، غیاث الدین رکن اور تاج الدین (خواجہ شاہ طریل) ان میں اول الذکر کبیر الدین حسن کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے بھی بہت طویل عمر پائی اور ۱۴۹۰ میں ان کا وصال ہوا۔ گزیٹر میں بھی لکھا ہے کہ ان کے ہاتھ پر بے شمار لوگ اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ کفار کی جماعت کی جماعت آکر ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتی تھی۔ (۳۴)

کبیر الدین حسن کا لقب حسن دریا تھا۔ لقب کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ایک مرتبہ ہندوؤں کا ایک قافلہ گنگا کی یاترا کے لیے سندھ سے روانہ ہوا۔ جب یہ لوگ اُچ شریف پہنچے تو سید کبیر الدین

حسن نے ان سے کہا کہ تم اتنی دور کیوں جاتے ہو میں تمھیں گنگا اور جمنا کے درشن یہیں کرا دیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ وہ بولے اچھا۔ سید کبیر الدین نے کہا کہ تم گنگا اور جمنا کی علامتیں نامزد کرلو اور پھر آزمالو کہ یہ علامتیں یہاں نظر آجاتی ہیں یا نہیں۔ چناں چہ یہ علامتیں نامزد ہوئیں اور پیر سے کہا گیا کہ اپنی کرامات دکھائیں۔ دوسرے صبح یاتریوں نے دیکھا کہ گنگا اور جمنا ان کے قریب بہ رہی تھیں اور ان میں سب طے شدہ علامتیں موجود تھیں۔ چناں چہ یاتریوں نے اسلام قبول کرلیا اور اسی کرامت کی وجہ سے پیر کبیر الدین کا نام حسن دریا مشہور ہوا۔ (۳۵)

پیر کبیر الدین حسن کے بارے میں شیخ اکرام نے لکھا ہے کہ وہ اسماعیلی مبلغ تھے۔ لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں ان کو صوفیہ کے اندر شمار کیا ہے اور ان کے اسماعیلی یا پیر صدرالدین کی اولاد ہونے کا سرے سے تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ ان کے ہاتھ پر بے شمار لوگوں کے اسلام قبول کرنے کا ذکر کیا ہے۔ شیخ نے لکھا ہے:

''سید کبیر الدین حسن سیاحت بسیار کردہ بود بعد ازاں در اچہ سکونت کرد گویند کہ وے صدوہشتاد سال عمر داشت واللہ اعلم گویند کہ از وے خوارق عادت بوجود می آمد و اعظم و اشہر خوارق او اخراج کفار بود از کفر بسوئے اسلام و ہیچ کافررا بعد عرض کردن اسلام بروی طاقت نماندی و در قبول اسلام بے اختیار شدی، جماعہ جماعہ کفار پیش او می آمدند و مسلماں می شدند و گویند کہ ایں نسبت در بعضے اولاد او نیز موجود بود و گویند بعضے از اولاد او بسبب اغوای نفس و دنیا ببدعتہا مبتلا شدند و اختراعہا عجیب پیدا کردند و بچیزہای غریب منسوب گشتند واللہ اعلم وایں سبب طعن و بدنامی سلسلہ او باشد وفات اوہشت صد ونوذوشش و قبر او در اچہ است۔ (۳۶)

''سید کبیر الدین حسن طویل سیاحت کے بعد اُچ میں سکونت پذیر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ان کی عمر ۱۸۰ سال کی ہوئی تھی۔ مشہور ہے کہ ان سے خرق عادت کا ظہور ہوتا تھا اور سب سے بڑی خرق عادت یہ ہے کہ وہ کفار کو کفر سے نکال کر اسلام کی طرف لاتے تھے، جس کافر کو بھی وہ اسلام کی دعوت دیتے وہ ضرور قبول کرتا تھا۔ گروہ در گروہ کفار

ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوتے تھے۔ مشہور ہے کہ ان کی بعض اولاد میں بھی یہ خصوصیت تھی۔ ان کی بعض اولاد نفس و دنیا کے بہکاوے میں آ کر مختلف بدعتوں میں ملوث ہوگئی اور نئی نئی چیزیں اختراع کرلیں، اس لیے ان کے سلسلہ پر لوگوں نے تنقید بھی کی ہے اور یہی وجہ اس سلسلہ کی بدنامی کی وجہ ہے، ان کی وفات ۸۹۶ میں اُچہ میں ہوئی۔''

شیخ اکرام نے کبیر الدین حسن دریا کو صدر الدین کی اولاد کہا ہے، جب کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس طرح کا کوئی اشارہ نہیں دیا۔ اس کے برخلاف تاریخ اُچ کے مصنف مولوی حفیظ الرحمٰن نے کبیر الدین کو سہروردی سلسلہ سے منسوب بتایا ہے اور لکھا ہے کہ ان کی اولاد بعد میں اثنا عشری ہوگئی تھی۔ (۳۷) اصلی صورت اس طرح ہوسکتی ہے کہ کبیر الدین بھی اثنا عشری ہوں لیکن انھوں نے تقیہ کر کے اپنے کو سہروردی ظاہر کیا ہو جس طرح صدر الدین نے اپنے کو سنی ظاہر کر کے تبلیغ کی جب کہ وہ شیعہ تھے۔ چناں چہ آج بھی بہت سے سنی خوجے صدر الدین کو سنی مانتے ہیں۔ اس کے خلاف آغا خان نے یہی دلیل دی تھی کہ صدر الدین نے تقیہ کر کے اپنے کو سنی ظاہر کیا تھا۔

ایک بات بطور استدراک یہ ہے کہ شیخ اکرام نے کبیر الدین کو پیر صدر الدین کا بیٹا لکھا ہے۔ لیکن انھوں نے دونوں کے جو سنین وفات دیے ہیں اس کے مطابق ان کے درمیان باپ اور بیٹے کا رشتہ ہونا ذرا مشکل نظر آتا ہے۔ صدر الدین کی وفات ایک سو اٹھارہ سال کی عمر میں ۷۱۷ھ/ ۱۳۱۸ھ میں ہوئی اور کبیر الدین کی وفات ۸۹۶ھ/ ۱۴۹۱ء بعمر ۱۸۰ سال ہوئی۔ اس اعتبار سے کبیر الدین کا سن ولادت ۷۱۶/ ۱۳۱۷ قرار پاتا ہے۔ یہی صدر الدین کا سال وفات ہے۔ اس لیے اگر کبیر الدین واقعتاً اسماعیلی رہے ہوں تو ہوسکتا ہے کہ وہ صدر الدین کے بیٹے نہیں بلکہ پوتے ہوں۔ یا پھر سنین وفات میں کہیں غلطی ہوگئی۔

تاہم کبیر الدین کے پیر صدر الدین سے الگ ہونے کے امکانات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ممکن ہے کبیر الدین حسن کا صدر الدین سے کوئی تعلق نہ ہو اور یہ بالکل علیحدہ شخصیت ہو۔ محض نام کی مناسبت کی وجہ سے باہم مشتبہ ہوگئے ہوں جیسے نور ست گرو اور نور ترک کی شخصیت نام کے اشتباہ سے ایک ہوگئی۔

کبیر الدین حسن دریا کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ کثیر الازواج والاولاد تھے۔ ان کے سات بیویوں سے اٹھارہ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ یہ اٹھارہ لڑکے پنجاب، سندھ، کاٹھیاواڑ،

گجرات کے مختلف شہروں میں بس گئے جن کی وجہ سے یہ مقامات اسماعیلی عقائد کی اشاعت کا مرکز بن گئے۔(۳۸)

کبیر الدین کے ایک بیٹے کا نام امام الدین تھا۔ انھوں نے اپنی تبلیغی مساعی کا مرکز گجرات کو بنایا۔ سلطان محمود بیگڑہ نے ان کا خیر مقدم کیا۔ انھوں نے اسماعیلی طریق تبلیغ کے مطابق تبلیغ کی اور ایک طریقہ کے بانی قرار پائے۔ ان کا طریقہ امام شاہی یا ست پنتھی کہلاتا تھا۔ تاریخ اولیائے گجرات میں لکھا ہے کہ اکثر ہندو آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ امام الدین کا انتقال ۱۵۱۲ میں ہوا۔(۳۹)

اوپر اسماعیلی مبلغوں کی کاوشوں کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ ہوا ہے۔ ان کے علاوہ بھی ایسے مبلغ رہے ہوں گے جن کا تذکرہ کتب تواریخ میں محفوظ نہیں ہے یا اس تک ہماری رسائی نہیں ہوسکی۔

علماء اہل سنت و جماعت نے اسماعیلی فرقہ کے عقائد و خیالات کو قبول نہیں کیا ہے اور ہندستان میں ان پر جو اوتار واد کا ہندستانی رنگ چڑھا تو وہ اور بھی زیادہ ناقابل قبول ہے۔ تاہم مجموعی طور پر برصغیر میں اسماعیلی مبلغوں کی مساعی کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے ایک ایسے دور میں جب کہ علماء کے پیش نظر حکومت کے نظم و انتظام یا مناظرہ بازی کے مسائل تھے اور حکمرانوں کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی تھی، ان دونوں میدانوں سے الگ ہٹ کر محض دعوت اور اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیا تھا۔ یہ بلاشبہ اسماعیلیوں کا بڑا کارنامہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اسماعیلیوں کی کوشش کے پیچھے سیاسی عوامل بھی تھے۔ ان کو سنی مسلمانوں کے خلاف قوت فراہم کرنی تھی۔ اس لیے انھوں نے ہندوؤں میں تبلیغ کرکے ان کو اپنے قریب کیا اور ان کے ذریعہ قوت حاصل کی، لیکن اس کے باوجود ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی افادیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ہندستان میں آسمانی مذہب کے تعلق سے بعض وہ سوالات موجود تھے جو عیسائی اور یہودی دنیا میں نہیں تھے۔ مثلاً یہاں نبوت و آخرت اس طرح تسلیم شدہ حقائق نہیں تھے، جس طرح عیسائی یا یہودی دنیا میں تھے۔ ایسے لوگوں کا براہِ راست اسلام قبول کرنا شاید مشکل تھا۔ اس پر مستزاد یہاں کا سماجی نظام ایسا تھا کہ اس سے نکل پانا آسان نہیں تھا۔ بہت سے لوگ اسلام کی حقانیت جان

لینے کے باوجود اسلام قبول نہیں کر پاتے تھے۔(۴۰) اسماعیلی داعیوں نے اپنے عقائد کو ہندوؤں کے سامنے ہندوؤں کی زبان میں پیش کیا، جن کو انھوں نے آسانی سے قبول کرلیا، اس کے بعد ان کا سنی مسلمان ہوجانا نہایت آسان تھا۔ چناں چہ ہوا بھی یہی۔ بیشتر اسماعیلی وقت گزرنے کے ساتھ سنی ہوتے گئے۔ اسماعیلی داعی پھر از سرنو قوت فراہم کرتے اور وہ گروہ بھی جلد ہی سنی ہوجاتا۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے لکھا ہے:

> ''چوں کہ ان لوگوں کے مذہب کی تخریب کرنے سے جو پہلے ہی سے مسلمان تھے، اس کا خطرہ تھا کہ سنی مسلمانوں کا غصہ ضرور ان پر اترے گا۔ اس لیے سنیوں کا سیاسی اقتدار قائم ہوجانے کے بعد اسماعیلیوں نے اس طریقہ کو زیادہ محفوظ سمجھا کہ ہندوؤں میں تبلیغ کرکے ان کو اسماعیلی بنائیں، پھر انھی نومسلموں میں سے کچھ رفتہ رفتہ مسلمان ہوگئے۔(۴۱)

اسماعیلی مبلغین دیگر علماء کے برخلاف باضابطہ مشن بنا کر غیرمسلموں میں تبلیغ و اشاعت کرتے تھے بلکہ سیاسی وجوہ کی بنا پر مسلمانوں میں دعوتی جدوجہد نہیں کرتے تھے۔ چوں کہ اس طرح ان کا ٹکراؤ براہِ راست مسلمانوں سے ہوتا تھا، ان کی دعوتی سرگرمیوں کی جولان گاہ بالعموم غیرمسلم تھے، غیرمسلموں میں جو آسمانی دین سے ناواقف تھے ان کے سامنے جب اسلام کی سیدھی سچی عملی تعلیمات کو خود انھی کی زبان میں پیش کیا گیا تو وہ نہایت آسانی سے اسماعیلی ہوگئے اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ اسماعیلی عقائد میں یہ خرابیاں ہیں تو نہایت آسانی سے سنی ہوگئے۔

سنی علماء کی تبلیغی مساعی کا اس طرح ذکر نہیں ملتا، جس طرح اسماعیلیوں کا ملتا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ علماء درس و تدریس اور انتظامی امور سلطنت سے متعلق ہوتے تھے۔ اس لیے ان کی ترجیحات و مصروفیات کچھ اور تھیں اور غیرمسلموں کے درمیان کام کرنا ان کے مشاغل میں شامل نہیں تھا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے خیال میں اس طرح کی تبلیغی تحریک علماء کے بس کی نہیں تھی، کیوں کہ ان کے پاس وہ تیاری ہی نہیں تھی جو ایسی تحریک کے لیے ضروری تھی۔(۴۲) یہ تبصرہ غیرجانب داری پر مبنی نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ سندھ میں علماء کی تبلیغی مساعی کا اس طرح تفصیلی تذکرہ نہیں ملتا، لیکن ہندستان کے باہر انھوں نے زبردست تبلیغی خدمات انجام دیں اور عہد مغلیہ کے زوال کے بعد ہندستان میں ان کی تبلیغی مساعی بڑی اہم ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علماء تبلیغی مساعی سے کلیتہً صرف نظر نہیں کرتے تھے۔

جہاں تک سندھ کا تعلق ہے اس میں غزنوی اور غوری فتوحات کو اسماعیلی قوت توڑنے میں دخل ہے لیکن اسماعیلیوں کے سنی ہو جانے میں بڑا دخل علماء کی مساعی کا ہے۔ ویسے بھی اس وقت غیر مسلموں میں تبلیغ کے مقابلے میں باطل فرقوں کی تردید علماء کا اصل میدان بھی تھا، انھی علماء کی مساعی سے سندھ کے اسماعیلی بتدریج سنی ہوتے گئے۔ چناں چہ جب سندھ پر دہلی سلطنت کا اقتدار قائم ہوا تو وہاں سنیوں کی سیاسی طاقت ابھر چکی تھی۔ یہ سوچنا بالکل بعید از قیاس نہیں ہوگا کہ یہ سیاسی تبدیلی غیر سیاسی عمل کے نتیجہ میں آئی ہوگی جس طرح اسماعیلیوں کی سیاسی قوت ان کے تبلیغی عمل کے زیر اثر ابھری تھی۔

بوہرہ

علماء کی تبلیغی مساعی کے بیان سے قبل چند سطور بوہرہ حضرات کے بارے میں لکھ دینا مناسب ہے۔ بوہرہ قوم کا بڑا حصہ مقامی تاجر پیشہ اقوام پر مشتمل ہے۔ مولانا ابوظفر ندوی نے حسب عادت عرب میں بہرا نام کا ایک قبیلہ تلاش کر کے بوہروں کا انتساب اس کی طرف کیا ہے کہ بوہرہ عربی النسل قوم ہے۔ لیکن جملہ شواہد اس کے خلاف ہیں۔ ایک تو بوہروں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ نو مسلم ہیں، دوسرے ان میں بہت سے رسوم ایسے ہیں جو ہندوانہ ہیں۔ بعض روایات ہندوانہ ہیں مثلاً حساب کی کتابیں عام ہندوؤں کی طرح دیوالی کے موقع پر بدلتے ہیں وغیرہ۔ تیسری بات یہ ہے کہ لفظ بوہرہ ہندی الاصل ہے، اور اس کی عربی اصل تلاش کرنا محض اضافی جدوجہد ہے۔

بوہرے عام طور پر شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن بعض بوہرے سنی بھی ہیں۔ بوہروں کے قبول اسلام کے سلسلہ میں قاضی نور اللہ سوشتری نے ایک واقعہ مجالس المومنین میں لکھا ہے، جو اسماعیلیوں اور بوہروں کی داعیانہ سرگرمیوں کا آئینہ دار ہے۔ ان کے مطابق داعی ملا علی گجرات آیا۔

> ''اس زمانہ میں گجرات کے لوگ کافر تھے اور ایک بوڑھا آدمی ان کا گرو تھا، جس کے ساتھ وہ بدرجہ غایت اعتقاد اور ارادت رکھتے تھے۔ لہٰذا مولانا نے یہ تدبیر سوچی کہ اول اس گرو کے پاس جا کر اظہار ارادت کرے اور اس کو دلائل قاطعہ کے ساتھ مسلمان کرے اور اپنے ساتھ متفق کرے۔ اس کے بعد دوسروں کو تبلیغ کر کے مسلمان کرنا شروع کرے۔ چناں چہ اس منصوبہ کے مطابق اس نے چند سال اس پیشوا کی خدمت میں گزارے۔ ان لوگوں کی زبان سیکھی اور ان کے علوم سیکھے۔ اس کے بعد دین اسلام کی حقیقت کو بتدریج اس پیر روشن ضمیر پر ظاہر کیا۔ جب وہ پیر مرد مسلمان ہو گیا تو

اس کے بعض مرید بھی اپنے پیشوا کی پیروی میں مسلمان ہو گئے۔ آخر کار جب اس ملک کے راجہ کے دیوان کو اس پیشوا کے مسلمان ہونے کی خبر پہنچی تو وہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ لیکن ابتداءً ان سب لوگوں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا۔ ایک دن راجہ کو دیوان کے مسلمان ہونے کی خبر ملی۔ وہ تحقیق حال کے لیے اس کے گھر گیا تو اس کو نماز میں مصروف پایا۔ راجہ نے باز پرس کی تو وزیر نے معقول عذر کر دیا۔ بعد میں راجہ بھی مسلمان ہو گیا۔ لیکن عوامی بغاوت کے خوف سے راجہ نے بھی اظہار نہ کیا۔ البتہ مرتے وقت وصیت کی کہ اس کی لاش کو دفن کیا جائے جلایا نہ جائے۔ لوگوں میں اس وصیت پر چہ می گوئی ہوئی تو دیوان نے بتا دیا کہ چوں کہ راجہ مسلمان تھا اس لیے دفن ہونا چاہتا تھا۔ اس طرح بوہرہ قوم مسلمان ہوئی۔" (۴۳)

بعد میں جب فیروز شاہ تغلق نے گجرات فتح کیا تو بعض بوہرے سنی ہو گئے، لیکن اکثریت شیعہ مسلک پر قائم رہی۔

خواجہ حسن نظامی نے موجودہ دور کے تبلیغی تعطل سے متعلق لکھا ہے:

"مستعلیوں (اسماعیلیوں) نے عرصہ دراز سے اشاعتِ اسلام کا کام بالکل ترک کر رکھا ہے اور متقدمین داعیان اسلام نے جس قدر ہندوؤں کو مسلمان بنا کر تیار کیا تھا اس میں اب کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔" (۴۴)

ہندستان کے مغربی علاقوں خاص طور پر سندھ اور گجرات میں تیسری صدی ہجری کے اواخر سے اسماعیلیوں کی دعوتی سرگرمیوں کا آغاز ہوتا ہے اور تقریباً ساتویں صدی کی ابتدا تک اس کے نمایاں اثرات نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد اسماعیلیوں کے سنی ہونے کے واقعات تو ہیں، لیکن غیر مسلموں کے اسماعیلی ہونے کے واقعات نظر نہیں آتے۔

سنی علماء کی تبلیغی کاوشیں

سنی علماء کا بڑا کارنامہ جو انھوں نے ابتدائی عہد خاص طور پر عہد سلاطین میں انجام دیا وہ وعظ و تذکرہ کی مجلسیں ہیں۔ ان کے ذریعہ علماء نے عام مسلمانوں کو اسلام سے روشناس کرایا۔ دیگر فرقوں جیسے اسماعیلی اور قرامطہ کی اصلاح کی اور ساتھ ہی حسب توفیق غیر مسلموں خصوصاً ہندوؤں تک۔ اسلام کا پیغام پہنچایا۔

متعدد مؤرخین نے اس طرح کی مجالس وعظ کا تذکرہ کیا ہے، خاص طور پر برنی نے عہد

سلطنت کے متعدد علما کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے مجالس وعظ و تلقین کا انعقاد کیا تھا۔ برنی نے عہد غیاث الدین بلبن (۸۷-۱۲۶۶) کے ایسے پندرہ علماء کا تذکرہ کیا ہے، جنھوں نے وعظ و نصیحت اور پند و تلقین، اور درس و تدریس کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کا کام انجام دیا۔ اس طرح کے علماء بالعموم مُذَکّر کہلاتے تھے۔ (۴۵) اشاعت اسلام میں ان کا کردار یقیناً بہت اہم رہا ہوگا۔ لیکن ہمارے مؤرخین نے بالعموم زبان بندی کی روش اختیار کی ہے اور ان کے پند و موعظت کا تذکرہ تو کرتے ہیں لیکن اس کے غیر مسلم عوام پر کیا اثرات ہوئے اس کا تذکرہ نہیں کرتے، البتہ مجلس وعظ کا جو انداز ہے اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی شریک ہوتے ہوں گے۔ چوں کہ یہ مجالس بازاروں، محفلوں اور مختلف اجتماعات کے مواقع پر ہوتی تھیں، اس لیے غیر مسلموں کی شرکت اس میں باعث حیرت نہیں ہے، پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی نے لکھا ہے:

> ''وہ عوامی مقامات پر اپنی تذکیر کی مجالس منعقد کرتے تھے، جہاں مسلموں کے ساتھ غیر مسلم بھی استفادہ کر سکتے تھے اور کرتے تھے۔'' (۴۶)

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ عہد وسطیٰ کے دور عروج میں علماء کا رجحان بالعموم حکومت میں عہدے حاصل کرنے اور مسلکی مناظروں کی طرف زیادہ تھا۔ اشاعتِ اسلام کا جذبہ نسبتاً کم تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس وقت کے بیشتر علماء کا نسبی تعلق ایرانی اشرافیہ سے تھا، جو مسلمان ہونے کے بعد بھی اپنے قدیم رویوں کو تبدیل نہیں کر سکے تھے اور جنھوں نے ہندستان میں آنے کے بعد بھی ایرانی اور ترک درباروں کی فضا پوری طرح قائم رکھی۔ اور اپنے روایتی تنازعات اور اپنی قومی روایات کو یہاں پوری طرح زندہ رکھا۔ خاص طور پر تاتاری فتنہ کے زمانہ میں بڑی تعداد میں علماء نے ہندستان کا رخ کیا اور آسانی سے عہدے اور مناصب حاصل کرنے کے لیے اپنا نسب اس طرح پیش کیا کہ گویا وہ عرب ہیں۔ کچھ سید ہو گئے کچھ صدیقی اور اسی طرح دوسرے اساطین کی طرف اپنا سلسلہ نسب جوڑ لیا۔ لیکن یہ عموماً ایرانی اور ترک اشرافیہ کے لوگ تھے۔ ان میں وہ مذہبی جذبہ نہیں تھا جو عربوں میں تھا۔ مساوات انسانی کی وہ روش بھی نہیں تھی جس کا اسلام علمبردار ہے۔ بلکہ نسلی تفاخر کے جذبات تھے۔ اور ان جذبات کو ہندستان میں نہایت سازگار ماحول مل گیا۔ چوں کہ یہاں اشرافیہ کا طبقہ نسلی تفریق کو مذہبی سمجھتا تھا، ان نو وارد مسلمانوں نے اگرچہ پوری طرح ان کی لے میں لے نہیں ملائی پھر بھی نسلی برتری کے تصور کو

خاصی قوت مل گئی، اور غیر مسلم خاص طور سے ہندو جن کے لیے سماجی مساوات کا حصول بھی اسلام میں داخل ہونے کا ایک سبب ہو سکتا تھا ان کے لیے اسلامی معاشرہ میں پہلی جیسی کشش باقی نہیں رہی۔

علماء کا یہ کردار ان کے تمام امتیازات پر حاوی ہو گیا۔ انھوں نے نسلی تفریق کے بہت سے ان پہلوؤں پر زور دینا شروع کر دیا، جو ہندو مذہب میں اہمیت رکھتے تھے۔ مثلاً مولانا ضیاء الدین برنی جنھیں ہندستان کا پہلا باضابطہ مؤرخ کہا جاتا ہے۔ نہایت شدومد سے اس نسلی برتری کے ساختشانہ کو منظر عام پر لاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''تقدس، اشراف کا حق ہے۔ بالفرض اگر کوئی پرہیزگار ہے تو اس کے اجداد میں ضرور اشراف کے عناصر ہوں گے۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ کم اصل ہے تو پھر اس کا تقدس محض تصنع ہے۔ اگر اللہ کی نظر میں خانوں اور امیروں کے مقابلہ میں قصائیوں اور جولاہوں اور دوکان داروں کے بیٹوں کی زیادہ عزت ہے تو ایک شرمناک بات ہے۔'' (۴۷)

مولانا ضیاء الدین برنی کا اقتباس کلیتہً اسلام کے خلاف ہے اور مکمل طور پر برہمن ذہنیت کی حمایت ہے۔ اس طرح بعض علماء کے اس کردار نے اشاعتِ اسلام کے عظیم کام کو نقصان پہنچایا۔ سید ضیاء الدین برنی سادات اور دیگر موہوم نسبی شرفاء کے علاوہ کسی کو تعلیم دینے، درجہ مساوات دینے، یا کوئی عہدہ دینے کے سخت خلاف ہیں اور سلطان محمد تغلق نے جب بعض ایسے لوگوں کو عہدے اور مناصب سے سرفراز کیا جو برنی کے مطابق موہوم نسبی شرافت کے حامل نہیں تھے تو اس نے سلطان پر سخت تنقید کی اور اس کے عہدیداروں کو بد اصل، بد بخت، بے سعادت، کمینہ، متکبر وغیرہ القاب سے نوازا۔

علماء کے اس کردار کی وجہ سے ان کی وقعت عوام کے درمیان کم ہو گئی۔ بادشاہوں کی نظر میں ذلیل ہو گئے۔ ان کا بنیادی مقصد حصول دولت ہو گیا۔ حصول دولت کے لیے وہ قرآن کی آیات تک کے غلط مطالب بتانے لگے۔ خود سید ضیاء الدین برنی اپنی اس طرح کی کمزوریوں پر پشیمانی کا اظہار کرتا ہے۔ (۴۸) اور دیگر علماء پر سخت تنقید کرتا ہے۔ پروفیسر کنور محمد اشرف نے لکھا ہے کہ علماء کے رویوں نے ان کو عوام میں بالکل بے اثر کر دیا۔

> ''سماج میں علماء کی عزت قطعاً رسمی تھی ... اگر سماجی وقار کا انحصار محض انسان کی ذاتی صفات پر ہے تو یہ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس سلسلہ میں طبقہ علماء کے مقابلہ میں عوام الناس ہزار درجہ بہتر تھے۔'' (۴۹)

اس طرح علماء کی روش نے عوام کے درمیان صوفیہ کوفروغ دیا۔ یہ کہنا درست نہیں کہ صوفیہ عالم نہیں تھے، وہ جید عالم تھے لیکن معروف معنوں میں ان کا تشخص و امتیاز تصوف بن گیا تھا۔ اس طرح کے صوفی علماء نے درباری علما کی اس روش پر سخت تنقید کی اور سید ضیاء الدین برنی اور دیگر علماء نے موہوم نجیب الطرفین اور شریف النسب وغیرہ کے جو معیارات قائم کیے تھے ان پر سخت تنقید کی۔ مثلاً شرف الدین یحییٰ منیری ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ''کسی کی طاقت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کہے کہ کیوں ایک آدمی کو دولت دی اور ایک کو نہیں دی جیسا کہ ایک بادشاہ ایک کو وزارت کا عہدہ دیتا ہے اور ایک کو دربان اور چرواہا بناتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ایک کو دین کی دولت دیتا ہے اور جب چاہتا ہے ایک کو شراب خانے سے باہر لاتا ہے اور جب چاہتا ہے جولاہوں، مہتروں، سبزی فروشوں، ظالموں اور حرام خوروں کو ہدایت دیتا ہے اور کس کی طاقت ہے کہ وہ اس طرح کہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔'' (۵۰)

سلطنت مغلیہ کے دورِ زوال میں علماء کی مساعی

علماء کا بیشتر طبقہ پورے عہد وسطیٰ میں اسی نہج پر گامزن رہا، لیکن سیاسی اتھل پتھل کے سبب اور کچھ سعید روحوں کی موجودگی کی وجہ سے جن کی نظر میں علم ذریعہ حصول دولت نہیں تھا، تبلیغ دین کی کوشش ہمیشہ کسی نہ کسی حد تک جاری رہی۔ اگرچہ ان کے بارے میں حتمی تاریخی حوالے نہیں ملتے لیکن آثار وقرائن سے ان کی موجودگی کا علم ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ علماء کا یہ دنیا دار طبقہ معدوم ہوتا نظر آتا ہے اور زمام اقتدار خود غرض، چاپلوس اور دنیا پرست لوگوں کے ہاتھوں سے نکل کر مخلص، دیانت دار اور حق کے حامی علماء کے ہاتھوں میں آجاتی ہے۔ وہ نہ صرف اسلام کو اس کی اصلی شکل میں پیش کرنے کی سعی کرتے ہیں بلکہ یہ بھی کوشش کرتے ہیں کہ غیر مسلموں کا ایک بڑا طبقہ جو الٰہی ہدایت سے محروم اور نسل پرست ظالم سماجی نظام کی تفریق کا شکار ہے، اس کو اسلام کا سایہ رحمت نصیب ہو۔ اس کے لیے انھوں نے تبلیغ واشاعت اسلام کا کام شروع کیا۔

اسی دورِ زوال میں عیسائی اور ہندو مبلغوں کی سرگرمیاں بھی شروع ہوئیں، اور بعض مسلمان عیسائی ہونے لگے۔ اسی طرح ہندو احیاء پرست تحریکات کے زیر اثر بعض مسلمان جو

صرف نام کے مسلمان تھے باقی پوری معاشرت میں ہندو تھے، ان میں سے کچھ نے اپنے ہندو ہونے کا اقرار کرلیا۔ مسلمانوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے لیے مناظرہ بازی سے لے کر زور وز بردستی تک تمام ہتھکنڈے اختیار کیے جانے لگے۔ ان کا جواب دینے کے لیے اور مسلمانوں کو اسلام کی خوبیاں سمجھانے کے لیے بھی علماء نے جدوجہد کی۔ عیسائیوں اور ہندوؤں سے مناظرے کیے۔ اس طرح ایک طرف تو اسلام کی اشاعت ہوئی اور دوسری طرف اسلام کا دفاع بھی ہوا۔

جن علماء نے ان مناظروں میں حصہ لیا اور خاص طور پر ہندوؤں اور آریہ سماجیوں سے مناظرہ کیا ان میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا مرتضٰی حسن چاند پوری، مولانا ابوالوفا شاہ جہاں پوری، مولانا محمد علی مراد آبادی، محمد علی کان پوری وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ اس دور میں مناظرہ اتنا ضروری ہوگیا تھا کہ اسے درس نظامی کا حصہ بنایا گیا اور فضلاء کو باضابطہ مناظرہ کی تربیت دی گئی ان مناظروں میں ایسی شرائط بھی ہوتی تھیں کہ جو فریق ہار جائے گا وہ دوسرے کی بات قبول کرلے گا۔ ان مناظروں میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوا کرتے تھے اور جو فریق جیت جاتا اس کی باتوں سے متاثر بھی ہوتے تھے۔ بعض اوقات یہ تأثر اتنا گہرا ہوتا تھا کہ وہ لوگ مسلمان ہوجاتے تھے۔

ان مناظروں میں بلند پایہ علماء شریک ہوتے تھے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی جیسی شخصیت کی زندگی کا ایک معتدبہ حصہ آریہ سماجیوں اور عیسائیوں سے مناظرہ میں گزرا۔ اسی طرح مولانا مرتضٰی حسن چاند پوری، مولانا محمد حسن امروہوی، شیخ الہند وغیرہ نے بھی بعض مناظروں میں شرکت کی۔

مسلمانوں کو اسلام پر باقی رکھنے اور عیسائیت اور شُدّھی کے خطرات کو کم کرنے کے لیے جہاں ایک طرف مناظرہ بازی ہوتی تھی وہیں خود مسلمانوں کے درمیان بھی علماء اصلاحی کام کرتے تھے، اور مسلمان جو دین سے بالکل بیگانہ اور شریعت سے بالکل ناواقف تھے، ان کو شریعت کی بنیادی باتوں کی تعلیم دیتے اور ان کو اچھا مسلمان بنانے کی کوشش کرتے۔ اس طرح کی متعدد تحریکات وقت کے ساتھ ختم ہوگئیں۔ بعض ابھی تک باقی ہیں، جیسے تبلیغی جماعت۔ اس طرح کی تحریکات کا بھی اشاعتِ اسلام میں دخل ہے، چناں چہ سید احمد شہید کی تحریک جہاد اور تبلیغی جماعت کے زیر اثر بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔

سید احمد بریلویؒ (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۲ء)

سید احمد بریلوی نے ٹونک (راجستھان) کے حکمراں نواب امیر خاں کے لشکر میں کئی سال فوجی خدمات انجام دیں اور لشکر میں مسلمانوں کی اصلاح کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ لشکر سے علیٰحدہ ہوکر انھوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کی اصلاح کے لیے یکسو کرلیا۔ اور اس کام کے لیے شمالی ہند کا دورہ کیا۔ یہ دورہ بڑا کامیاب رہا۔ اس کے ذریعہ گاؤں گاؤں میں لوگ ان کی ارادت میں داخل ہونے لگے۔ تذکروں میں عام طور پر ان کے ہاتھ پر مسلمانوں کے بیعت کرنے کا تذکرہ ملتا ہے۔ تاہم ہندوؤں نے مختلف مقامات پر جس والہانہ انداز میں ان کا استقبال کیا اور پذیرائی کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بڑی تعداد میں ہندو بھی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہوں گے۔ (۵۱) اس کی تائید ان جستہ جستہ واقعات سے بھی ہوتی ہے جو تذکرہ نگاروں نے ضمناً کسی کے مسلمان ہونے کے بارے میں لکھ دیے ہیں۔ مثلاً میرٹھ کے ایک رئیس خدا بخش کا مختار ایک برہمن تھا، جس نے ابتداءً سید احمد کی مخالفت کی تھی لیکن بعد میں وہ اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہوگیا۔ (۵۲)

حاجی شیخ احمد جو خود نو مسلم تھے انھوں نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ سید صاحبؒ نے مولوی شاہ رمضان رڑکی والے کو خلافت عطا فرمائی تھی تا کہ اطراف و جوانب کے دیہات میں تعلیم و نصیحت کے لیے دورہ کریں، مولوی صاحب موضع جانکا میں پہنچے جو اس خاکسار کا وطن ہے اور وہاں ایک مسجد میں وعظ فرمایا۔ میری عمر اس وقت ۹ سال تھی اور میں ہندو تھا۔ میں نے مسجد کے نیچے بیٹھ کر آپ کا وعظ سنا۔ آپ نے روزہ نماز وغیرہ اور دوسرے نیک اعمال کے فضائل بیان کیے۔ تین روز تک اسی طرح میں آپ کا وعظ سنتا رہا۔ میرے دل میں آیا کہ جب ان کا دین اتنا اچھا ہے تو میں بھی اگر یہی دین قبول کرلوں تو بہت اچھا ہو۔ میرا یہ شوق دن بہ دن بڑھتا رہا۔ تیسرے روز میں نے ہمت کی کہ مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہو جاؤں۔ میں مسجد میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ مسلمان آپ کا وعظ سننے کے لیے مسجد میں بیٹھے ہیں اور بہت سے ہندو علیحدہ علیحدہ مسجد کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں۔ میں بھی وہیں جا کر کھڑا ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے دل میں ایک ایسا سرور پیدا ہوا کہ میں اس کے نشے میں سرشار ہوگیا۔ یہاں تک کہ بے اختیار ہوکر مولوی صاحب کے پاس جا کر عرض کیا کہ "میں مسلمان ہوتا ہوں آپ مجھے مسلمان کرلیجیے۔" (۵۳)

لکھنؤ میں دو جوہری ہندو بھائیوں نے اسلام قبول کیا، جن کے نام عبدالہادی اور

عبدالرحمٰن رکھے گئے۔ چند دن بعد ایک اور ہندو آیا اور مسلمان ہوا اس کا نام احمد اللہ رکھا گیا۔ اس طرح چند دن کے وقفہ سے پانچ لوگ مسلمان ہوئے۔ (۵۴)

بنارس کے تلوکا چمار اور اس کی قوم کے پچیس آدمیوں کے بیعت ہونے کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ اگرچہ یہ واضح نہیں کہ یہ ہندو تھے (۵۵) لیکن اغلب یہی ہے کہ ہندو تھے اور مسلمان دوستوں کی فہمائش پر سید احمد بریلویؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

کلکتہ میں سید احمد بریلویؒ کی تبلیغی جدوجہد کا تذکرہ وضاحت سے ملتا ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے مخزن احمدی کے حوالہ سے لکھا ہے:

> ''مولانا عبدالحی صاحب جمعے کو اور سہ شنبہ کو نمازِ ظہر کے بعد شام تک وعظ فرماتے تھے۔ لوگ پروانہ وار جمع ہوتے تھے، روزانہ ۱۰، ۱۵ ہندو مسلمان ہوتے، دوسرے یا تیسرے روز ان کا ختنہ ہوتا ان کے رہنے کے لیے ایک علیحدہ مکان تھا۔ قافلے کے دس بارہ آدمی ان کی خدمت اور راحت کے لیے مقرر تھے۔ (۵۶)

اس اندراج سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحی کی یہ تقریریں کسی عوامی جگہ پر ہوتی ہوں گی، جن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شریک ہوسکیں۔

بالاکوٹ کے میدان میں ایک سکھ کے مسلمان ہوکر مجاہدین کے ساتھ مل جانے کا واقعہ بھی ملتا ہے۔ (۵۷) اگرچہ سید احمد شہیدؒ عہد جدید کی شخصیت ہیں اور ان کی پوری زندگی اور کارنامے تاریخ کے صفحات پر تفصیل سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ تاہم تبلیغ اسلام کے حوالے سے یہ تذکرے کافی تشنہ ہیں اور پوری معلومات فراہم نہیں کرتے۔ ان کے بعض خلفاء کی کاوشوں سے چند لوگوں کے مسلمان ہونے کا تذکرہ صراحت کے ساتھ ملتا ہے۔ زیادہ تفصیلات صرف مسلمانوں کے درمیان کام کرنے کی ملتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت مسلمانوں میں اصلاح کا کام ہندوؤں میں تبلیغ کے کام سے زیادہ مشکل تھا اور سید صاحبؒ کی کاوشوں سے شرک و بدعت اور رسوماتِ بد کا جس طرح استیصال ہوا وہ بلاشبہ ایک تاریخ ساز کارنامہ ہے، تاہم ہندوؤں کے درمیان ان کے کاموں کی تفصیلات کم ملتی ہیں۔ مولانا علی میاں ندویؒ نے مولانا ولایت علی عظیم آبادی کے حوالے سے لکھا ہے:

> ''ہزار ہا انسان اپنا دین چھوڑ کر اسلام سے مشرف ہوئے اور ہزار ہا لوگوں نے مذاہب باطلہ سے توبہ کی۔'' (۵۸)

ہندوؤں کے ساتھ ان کے برتاؤ اور ان کے ساتھ ہندوؤں کی عقیدت و نیازمندی کو دیکھتے ہوئے یہ کوئی بعید بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود بعض مقامات پر ہندوؤں نے ان کی دعوت کو رد کر دیا۔ مثلاً ایک واقعہ ہے کہ جب آپ الٰہ آباد میں تھے تو بہت سے گرو اور جوگی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اس شہر میں آپ کے آنے سے ہمارے گیان دھیان میں خلل واقع ہو رہا ہے اس لیے آپ یہاں سے چلے جائیں۔ سید صاحب نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا۔ (۵۹)

سید احمد شہید کی تحریک کا اصل رُخ سکھوں کے خلاف جہاد تھا۔ بالاکوٹ کے میدان میں ان کی شہادت کے ساتھ ہی یہ نصب العین ختم ہو گیا۔ ساتھ ہی مسلمانوں کے درمیان جو اصلاحی جدوجہد تھی وہ بھی ماند پڑ گئی۔ ہندوؤں میں اشاعت اسلام باضابطہ ان کے منصوبہ کا حصہ نہیں تھی، ان کی تحریک کے زیر اثر جہاں شرک و قبر پرستی کی ظلمت چھٹی وہیں شرک و بت پرستی کی تاریکیاں بھی کہیں کہیں اس کی ضیابار کرنوں سے دور ہو گئیں اور بہت سی سعید روحوں نے اسلام کے دامان عافیت میں پناہ حاصل کی۔

سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے ختم ہو جانے کے بعد نیک دل مسلمانوں میں یک گونہ مایوسی تھی لیکن سید احمد کے بہت سے تربیت یافتہ افراد ایسے تھے جنھوں نے برصغیر میں تبلیغ و اشاعت اسلام کے لیے جدوجہد جاری رکھی۔ ان میں مولانا ولایت علی اور عنایت علی عظیم آبادی نے بنگال میں احیاء اسلام کا کام جاری رکھا۔ بنگال میں ہی ایک دوسرے مرید مولوی امام الدین نے بھی مسلمانوں میں اصلاح کا کام بڑے پیمانے پر کیا۔ سید احمد علیہ الرحمہ کے ایک مرید مولانا کرامت علی جون پوری نے جو معاصر علماء میں فہم و شعور اور تدبر کے لحاظ سے فائق تھے۔ بڑی سوجھ بوجھ اور محنت و عرق ریزی کے ساتھ بنگال کے مسلمانوں کی اصلاح کی۔

بنگال میں ان نفوس قدسیہ کے علاوہ حاجی شریعت اللہ، دودھو میاں، صوفی نور محمد چاٹگامی وغیرہ کی جدوجہد سے اسلام کا احیاء ہوا۔ شرک و قبر پرستی پر کاری ضرب لگی اور ہندو زمینداروں نے جو جبریہ مشرکانہ ٹیکس (جیسے درگا پوجا کا ٹیکس وغیرہ) لگا رکھے تھے ان کے خلاف مسلمانوں کو منظم کیا، ان تحریکات کا اثر تھا کہ اگلے پچاس سال میں وہاں غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت کی راہ ہموار ہو گئی اور بنگال جہاں مسلمان اقلیت میں تھے وہاں اسلام کی اتنی اشاعت ہوئی کہ مسلمانوں کی اکثریت ہو گئی۔

علمائے صادق پور

علمائے صادق پور میں ولایت علی اور عنایت علی کو سید احمد بریلوی علیہ الرحمہ کی تحریک میں شرکت کی وجہ سے بڑی سخت ابتلا سے گزرنا پڑا۔ یہ خاندان سید احمد شہید کا ارادت مند تھا، اسی خانوادہ کے ایک فرد مولوی یحییٰ علی صادق پوری تھے۔ ان پر ۱۸۶۴ میں مقدمہ چلا۔ الزام تھا سرحد پر مجاہدین کی اعانت۔ سزا ہوئی جیل گئے۔ جیل میں سنت یوسفی پر عمل پیرا ہوئے اور آیت کریمہ:

ءَ اَرْ بَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ (یوسف:۳۹)

''کیا بہت سے متفرّق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔''

پر وعظ فرماتے۔ ان کے وعظ کے اثر سے متعدد سکھ اور گورکھے مسلمان ہو گئے۔

مولانا کو پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ جب مولانا جیل میں تھے تو بہت سے سکھ اور ہندو گورکھے سپاہی وہاں تھے۔ مولانا ان کو وعظ و نصیحت کرتے اور ان کو توحید باری تعالیٰ کی تلقین کرتے تھے۔ انھیں وعظ کہتے۔ عذاب آخرت سے ڈراتے۔ مولانا محمد میاں نے الدر المنثور کے حوالے سے لکھا ہے کہ'' کتنے ہی موحد ہو گئے اور کتنے دین آبائی کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔ (۶۰)

مولانا عنایت علی نے اپنی زندگی بنگال میں احیائے اسلام کے لیے صرف کر دی W.W. Hunter نے ان کی تبلیغی مساعی کے بارے میں لکھا ہے:

''اور یہ انھی کا کام تھا کہ انھوں نے اپنے ہزاروں ہم وطنوں کو بہترین زندگی بسر کرنے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق بہترین تصور پیدا کرنے کی ترغیب دی۔'' (۶۱)

بعض دردمند مسلمانوں نے جنوبی ہند میں اشاعت اسلام کے لیے منت الاسلام سبھا قائم کی۔ اس انجمن میں بیسویں صدی کے ابتدائی چند سالوں میں سالانہ اوسطاً ۷۵۰ لوگ مسلمان ہوا کرتے تھے۔ (۶۲)

مولوی بقا حسین

ایک بزرگ مولوی بقا حسین تھے۔ ان کے بارے میں گارساں دتاسی نے لکھا ہے کہ وہ مختلف علاقوں کے تبلیغی دورے کرتے ہیں۔ انھوں نے بمبئی، کانپور، اجمیر اور دیگر علاقوں کے ۲۲۸ باشندوں کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا۔ (۶۳)

مولوی حسن علی

ایک بزرگ مولوی حسن علی تھے۔ مسلم کرانیکل (بمبئی) کے (۴؍اپریل ۱۸۹۶) میں ان کی وفات پر ایک تعزیتی مضمون میں مذکور ہے کہ انھوں نے محض تبلیغ اسلام کے لیے سرکاری ملازمت ترک کر دی اور نور الاسلام کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا، جس کا مقصد غیر مسلموں کو اسلام سے روشناس کرانا تھا۔ اس سے قبل انھوں نے مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا۔ پنڈتوں، پادریوں اور صوفیوں سب سے ملے۔ آخر میں اسلام پر شرح صدر ہو گیا اور اس کی اشاعت کے لیے ملازمت چھوڑ کر تن من دھن سے لگ گئے۔ انھوں نے پٹنہ، کلکتہ اور ڈھاکہ میں اسلام پر تقریریں کیں جن کو عیسائیوں اور ہندوؤں نے بہت پسند کیا۔ مولوی حسن علی کی تبلیغی جولان گاہ حیدر آباد، بمبئی اور پونہ بھی رہی۔ ان کے ہاتھ پر ۱۰۰ آدمیوں کے مسلمان ہونے کا تذکرہ مسلم کرانیکل نے کیا ہے۔ ان کے تبلیغی جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ حالت نزع میں بھی ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے، ''اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو جاؤ۔'' (۶۴)

جس زمانے میں شدھی تحریک زوروں پر تھی اس وقت متعدد مبلغین اسلام نے تبلیغ اسلام کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں تھیں۔ انھی مبلغین میں ایک مولوی قطب الدین تھے جو سہسوان (ضلع بدایوں) کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے بھی شدھی تحریک کے دوران بہت کام کیا۔ مسلمانوں میں بھی اور غیر مسلموں میں بھی ان کی کوششوں سے بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ وہ زبردست مناظر بھی تھے۔ (۶۵)

بابو عبدالرحمٰن

مراد آباد کے ریلوے مال گودام میں ایک شخص بابو عبدالرحمٰن ملازمت کرتے تھے۔ ان کو تبلیغ اسلام کا بڑا ملکہ اور بڑا جذبہ تھا۔ ان کے ہاتھ پر تین سو سے زیادہ غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا، جن میں خاصی تعداد پادریوں کی تھی۔ (۶۶)

قاضی صفدر علی

بمبئی کے علاقہ میں نصیر آباد کے قاضی سید صفدر علی کی تلقین و ہدایت پر بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ لوگ عام طور پر آہن گری اور اسلحہ سازی کے پیشوں سے منسلک تھے۔ (۶۷)

اسی طرح کا یہ واقعہ ہے کہ ضلع ناسک میں دوسو کے قریب آہن گروں میں ایک عیسائی نے عیسائیت کی تبلیغ کی اور وہ کسی حد تک قائل ہو گئے۔ لیکن عیسائیت اختیار کرنے میں تذبذب کے شکار تھے۔ اسی اثنا میں ایک بزرگ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ (۶۸)

مولانا شاہ طالب حسین

ایک عالم مولانا شاہ طالب حسین فرخ آباد کے رہنے والے تھے۔ خود نومسلم تھے۔ بے شمار مسلمان ان سے بیعت ہوئے اور بہت سے غیر مسلموں نے بھی ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ وہ جس کو مسلمان کرتے تھے، اس کو بھی داعی بنا دیتے تھے۔ خواجہ حسن نظامی نے لکھا ہے کہ میں نے بارہا ان کی زیارت کی۔ (۶۹)

مولانا شاہ عبدالعلیم

مولانا شاہ عبدالعلیم صاحب جون پور، غازی پور اور بنارس میں رہتے تھے۔ ان کے ہاتھ پر متعدد ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ خواجہ حسن نظامی نے لکھا کہ ان کی ملاقات ایک ایسے نو مسلم سے ہوئی، جس نے شاہ عبدالعلیم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ وہ شخص برادری کے خوف سے اپنے اسلام کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ (۷۰)

مولانا محمد علی جوہر

مولانا محمد علی جوہر تبلیغ دین کے جذبے سے سرشار تھے۔ مسلمان جو اسلام سے برگشتہ ہو رہے تھے ان کو بڑے حکیمانہ طریقہ سے اسلام کا قائل کرتے۔ مشہور ہے کہ ان کے گھر میں ایک بھنگی صفائی کے لیے آتا تھا۔ ایک دن کھانے کا وقت تھا۔ مولانا نے اس کو کھانے پر مدعو کیا۔ یہ بات کبھی اس کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آتی ہوگی کہ کسی ''شریف'' کی دہلیز پار کر سکے چہ جائے کہ اس کو دعوت طعام دی جا رہی ہے۔ بڑی مشکل سے مولانا نے اس کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا۔ اس واقعہ کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے علاوہ بھی ان کے جذبہ تبلیغ کا اظہار متعدد شواہد سے ہوتا ہے۔ (۷۱)

اسی طرح کا ایک واقعہ آندھرا پردیش کا ہے۔ وہاں ایک نومسلم رکن جماعت اسلامی ہیں عبدالرحمٰن، وہ اپنے استاذ کے اسی طرح کے مساویانہ برتاؤ سے متاثر ہو گئے۔ اسلام کی ڈگر پر چل پڑے اور بحمداللہ حیات ہیں۔ (۷۲)

مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی (۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء)

مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی اپنے وقت کے جید عالم اور صوفی بزرگ اور بڑے پائے کے محدث مانے جاتے ہیں۔ ان کو ہندستانی روایات سے خاص تعلق تھا۔ قرآن کریم کا ٹھیٹ ہندی زبان میں ترجمہ کیا اور اس کا نام رکھا ''من موہن کی باتیں۔'' یہ ترجمہ اگرچہ بوجوہ مکمل نہیں ہوسکا لیکن اپنی نوعیت کی منفرد کوشش ہے، جس میں عربی اسماء کے ہندی مترادف تلاش کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً لفظ ''اللہ'' کا ترجمہ من موہن کیا ہے۔ ان کے پاس ہندو عقیدت مندوں کی بھیڑ رہتی تھی۔ ان عقیدت مندوں میں سے بہت سے ایسے لوگ تھے، جنھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ (۷۳)

حاجی عبدالرحمٰن

ہریانہ کے حاجی عبدالرحمٰن ایک گاؤں اٹاوڑ میں ایک بنئے کے گھر پیدا ہوئے۔ نوعمری میں اسلام قبول کیا اور تبلیغی جماعت سے وابستہ ہوگئے۔ تبلیغ اسلام کا زبردست ملکہ تھا۔ ان کے ہاتھ پر ایک ہزار سے زیادہ ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ انھوں نے قصبہ سنگار میں ایک مدرسہ صرف نومسلموں کے لیے قائم کیا تھا۔ (۷۴)

حاجی عبدالرحمٰن اٹاوڑی کا طریق تبلیغ بالکل فطری تھا۔ اس کو سمجھنے کے لیے ایک واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ قصبہ پلول میں ایک ہندو صبح کے وقت سورج کو پانی چڑھا رہا تھا۔ حاجی عبدالرحمٰن نے اس سے بالٹی مانگ کر کنویں سے پانی کھینچا اور زمین پر ڈال دیا۔ یہی عمل کئی بار کیا تو اس ہندو نے پوچھا، میاں صاحب یہ کیا کرتے ہو، حاجی صاحب نے جواب دیا کہ اپنے کھیتوں کی سینچائی کر رہا ہوں۔ ہندو نے کہا کہ یہ کھیت کہاں ہیں؟ حاجی صاحب نے جواب دیا کہ کھیت تو اٹاوڑ میں ہیں۔ ہندو نے کہا، میاں صاحب پانی آپ پلول میں ڈال رہے ہیں اور سینچائی ۲۰ میل دور اٹاوڑ میں کرنا چاہتے ہیں۔ حاجی صاحب نے کہا کہ تم بھی تو ہزاروں میل دور سورج کو یہاں سے پانی دے رہے ہو۔ اس کے بعد حاجی صاحب نے اس کو شرک کی قباحتیں اور توحید کی برکتیں سمجھائیں تو وہ شخص مسلمان ہوگیا۔ (۷۵)

مولانا عبیداللہ

مولانا عبیداللہ پٹیالہ کے رہنے والے ایک بزرگ تھے۔ ان کے والد کا نام کوٹے مل تھا۔ بڑے تعلیم یافتہ برہمن تھے۔ تلاش حق میں تحقیق ومطالعہ سے اسلام قبول کیا اور اسلام کے داعی بن

گئے۔ انھوں نے ایک کتاب تحفۃ الہند لکھی۔ اس کتاب کو پڑھ کر مولانا عبید اللہ سندھی نے اسلام قبول کیا تھا۔ (۷۶)

مولانا عبید اللہ نے اپنی زندگی تبلیغ اسلام کے لیے وقف کر دی، ان کو اس میدان میں بڑی کامیابی ملی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہونے والوں کا صرف پٹیالہ میں ایک پورا محلّہ آباد ہے۔ (۷۷) قاضی سلیمان منصور پوری نے لکھا ہے کہ تقریباً ۳۷۵ خاندان ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ (۷۸)

اس نام کی ایک اور شخصیت مولانا عبید اللہ سندھی (۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء) ضلع سیالکوٹ پنجاب کے رہنے والے تھے انہوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ بعد میں ہندستان کی جنگ آزادی کے بھی ایک زریں باب کا عنوان بن گئے، ریشمی رومال تحریک کے روح رواں بھی تھے۔ انہوں نے اگرچہ تبلیغ اسلام کے لیے زیادہ کام نہیں کیا۔ ان کی مصروفیات زیادہ تر سیاسی رہیں۔ تاہم خود نومسلم تھے۔ اور بعد میں بڑے با اثر سیاسی رہنما بنے۔ ان کے عمومی اثرات کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے اسلام لانے کا اصل سبب سابق الذکر مولانا عبید اللہ کی تصنیف ''تحفۃ الہند'' بنی۔ اس کتاب کو پڑھ کر ان پر اسلام کی حقانیت واضح ہوگئی اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

اس طرح کی تبلیغ کا ایک اور واقعہ بنگلور میں ایک مسجد کے امام کے بارے میں آرنلڈ نے لکھا ہے کہ وہ اس قدر مقبول تھا کہ ہندو بھی اس کو بلا کر لے جاتے اور اس سے وعظ سنا کرتے تھے، وہ روزانہ بازار میں وعظ کیا کرتے تھے۔ یہ ۱۸۹۰ کے قریب کا واقعہ ہے۔ اس کی تلقین سے چند سال میں ۴۲ آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ (۷۹)

نواب بہادر یار جنگ (۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء)

نواب بہادر یار جنگ ایک بے مثال خطیب اور شعلہ بیان مقرر کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ انھوں نے حیدر آباد کے مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کے لیے بڑی جدو جہد کی، ساتھ ہی انھوں نے غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت کے لیے بھی بڑی محنت کی۔ انھوں نے جمعیۃ تبلیغ اسلام قائم کی۔ خاص طور پر اچھوتوں میں آپ اسلام کی دعوت دیتے۔ ان کی بستیوں میں جاتے، ان کے ساتھ رہتے، ان کے ساتھ کھاتے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے اور جو مسلمان

ہو جاتے ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرتے۔ان کے ہاتھ پر کم وبیش پانچ ہزار لوگوں نے اسلام قبول کیا۔(۸۰)

مسلمانوں کا یہ دور آخر جس میں ان کی حکومت ختم ہوگئی تھی اشاعت اسلام کے لیے بہت سازگار ثابت ہوا۔اوپر آرنلڈ وغیرہ کی صراحت آچکی ہے کہ سالانہ چھ چھ لاکھ ہندو مسلمان ہورہے تھے۔علامہ اقبال نے بھی ایک مرتبہ فرمایا کہ پنجاب میں سالانہ ہزاروں لوگ اسلام قبول کرتے ہیں۔(۸۱) مردم شماری سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا۔ایک معاصر شہادت طفیل احمد منگلوری کی ہے۔انھوں نے ۱۹۳۳ میں لکھا تھا کہ گزشتہ پچاس سال میں ۶۱ لاکھ ہندوؤں نے اسلام قبول کیا ہے۔(۸۲)

ہندوؤں نے اس صورت کا مقابلہ شدھی تحریک اور ہندو مسلم منافرت وغیرہ کے ذریعہ کیا اوران کی کوششیں رائیگاں نہیں گئیں اور اشاعت اسلام جس رفتار سے ہورہی تھی وہ رُک گئی۔ ذہن تنگ ہوگئے،شرک جس کی شناعت سے بچنے کے لیے ہندو اسلام قبول کرتے تھے اس کی ایسی فلسفیانہ توجیہات کی گئیں کہ ذہن اس کی گتھی میں الجھ گیا۔طبقاتی نظام کے تصورات کو نئے معنی پہنائے گئے اور پس ماندہ اقوام کو ہندو مذہب کے دائرہ میں رہ کر بھی ترقی اور بلندی کے امکانات سے روشناس کرایا گیا۔نیز ریزرویشن وغیرہ کے ذریعہ ایسی پابندیاں عائد کردیں کہ ان کا دائرۂ اسلام میں داخل ہونا مشکل ہوجائے اور وہ اپنے دائرے میں محصور رہیں۔

حواشی:

(۱) Islam and Muslims in south Asia p.1, note، آب کوثر ص ۴۹

(۲) آبِ کوثر ص ۲۱

(۳) آبِ کوثر ص ۲۱

(۴) دعوت اسلام ص ۲۸۰

(۵) برصغیر میں اشاعتِ اسلام میں علماء کا حصہ،از پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی،مشمولہ تحقیقات اسلامی،ج ۶ شمارہ ۱،ص ۵۹

(۶) بزرگ بن شہریار:عجائب الہند،تہران ۱۹۶۶،ص ۳،۴

(۷) عجائب الہند،ص۴، برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ،ص۴۳
(۸) خزینۃ الاصفیاءص۲/۲۱۳
(۹) تذکرۃ علمائے ہندص۲۳
(۱۰) برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ،ص۶۰، ۶۱
(۱۱) Journal of Pakistan Historical Sociaty vol.1. part I, pp.446, History of Islam in Bengal. vol.1, p.
(۱۲) برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ،ص۵۰-۵۲
(۱۳) آبِ کوثر،ص۵۷
(۱۴) تاریخ سندھ،ص۲۷۰
(۱۵) تاریخ سندھ،ص۲۷۳
(۱۶) برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ،ص۵۰،عرب و ہند کے تعلقات ص۳۵۲، ۳۵۳
(۱۷) برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ،ص۴۹
(۱۸) مروج الذہب،ص۱/ ۳۷۸، برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ،ص۵۰
(۱۹) آبِ کوثر،ص۱۵۹ابن بطوطہ نے بھی ان کے ہندوانہ رسوم ورواج کا تذکرہ کیا ہے۔دیکھئے ص۳/۱۰۱
(۲۰) برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ،ص۵۱
(۲۱) آبِ کوثر،ص۳۴۰
(۲۲) بمبئی گزٹ،ص۹(از: آبِ کوثر،ص۳۴۰)
(۲۳) دعوتِ اسلام،ص۲۷۳
(۲۴) آبِ کوثر،ص۷۰
(۲۵) فوائد الفواد،ص۱۹۸، ۱۹۹
(۲۶) آبِ کوثر،ص۳۴۳-۳۴۴
(۲۷) برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ،ص۵۲
(۲۸) آبِ کوثر،ص۳۴۴
(۲۹) آبِ کوثر،ص۳۴۷،سندھ گزیٹر
(۳۰) آبِ کوثر،ص۳۴۵
(۳۱) آبِ کوثر،ص۳۴۵
(۳۲) آبِ کوثر،ص۳۴۵

(۳۳) آبِ کوثر،ص ۳۴۵
(۳۴) اخبارالاخیار،ص ۲۱۳
(۳۵) آبِ کوثر،ص ۳۴۷، ۳۴۸
(۳۶) اخبارالاخیار،ص ۳۱۳
(۳۷) آبِ کوثر،ص ۳۳۸
(۳۸) آبِ کوثر،ص ۳۴۸، بحوالہ گلزار شمس تبریز، جبل المتین،ص ۵۰۲
(۳۹) آبِ کوثر،ص ۳۵۰، ۳۵۱
(۴۰) فوائدالفواد،ص ۱۳۵
(۴۱) برصغیر پاک وہند کی ملت اسلامیہ،ص ۵۳
(۴۲) برصغیر پاک وہند کی ملت اسلامیہ،ص ۵۴
(۴۳) مجالس المومنین، تہران ۱۲۹۹،ص ۶۵
(۴۴) خواجہ حسن نظامی: فاطمی دعوت اسلام،ص ۱۵۳، آبِ کوثر ۳۵۵
(۴۵) برصغیر میں اشاعتِ اسلام، از پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ ج ۶، شمارہ: ۱
(۴۶) برصغیر میں اشاعتِ اسلام، از پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی تحقیقاتِ اسلامی، علی گڑھ ج ۶، شمارہ: ۱
(۴۷) مولانا عبدالحمید نعمانی، مسئلہ کفو اور اشاعتِ اسلام ''ضیاء الدین برنی کا نظریۂ نسل''، ص: ۶-۵، بحوالہ فتاویٰ جہانداری
(۴۸) تاریخ فیروز شاہی: اردو ترجمہ سید معین الحق،ص ۶۶۴، اردو سائنس بورڈ، لاہور پاکستان، طبع دوم ۱۹۸۳
(۴۹) کنور محمد اشرف: ہندستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں،ص ۱۳۸
(۵۰) شرف الدین یحییٰ منیری: مکتوبات صدی،ص ۳۸
(۵۱) مولانا علی میاں: سیرت سید احمد شہید،ص ۱/۲۰۴
(۵۲) مولانا علی میاں: سیرت سید احمد شہید،ص ۱/۱۵۴
(۵۳) مولانا علی میاں: سیرت سید احمد شہید،ص ۱/۱۶۷
(۵۴) مولانا علی میاں: سیرت سید احمد شہید،ص ۱/۲۰۷
(۵۵) مولانا علی میاں: سیرت سید احمد شہید،ص ۱/۹-۲۸۸
(۵۶) مولانا علی میاں: سیرت سید احمد شہید،ص ۱/۷-۳۱۶، مخزن احمدی،ص ۷۵
(۵۷) مولانا علی میاں: سیرت سید احمد شہید،ص ۲/۴۲۴
(۵۸) مولانا علی میاں: سیرت سید احمد شہید،ص ۲/۱۲۷، بحوالہ رسالہ دعوت، مشمولہ رسائل تسعہ، از مولانا

ولایت علی عظیم آبادی، ص ۶۵، مطبع فاروقی دہلی

(۵۹) مولانا علی میاں: سیرت سید احمد شہید، ص ۱/ ۱۸۸

(۶۰) مولانا علی میاں: سیرت سید احمد شہید، ص ۱/ ۱۶۷، علمائے ہند کا شاندار ماضی، ص ۳/ ۱۵۳

(۶۱) ہمارے ہندستانی مسلمان، (از ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر) ص ۲/ ۱۰۱، بحوالہ علمائے ہند کا شاندار ماضی ص ۳/ ۲۷

(۶۲) دعوت اسلام ص ۲۶۷

(۶۳) دعوت اسلام، ص ۲۸۱

(۶۴) مسلم کرانیکل، ۴/ اپریل ۱۸۹۶

(۶۵) دعوت اسلام، ص ۲-۱۸۱

(۶۶) فاطمی دعوت اسلام، ص ۱۵۴

(۶۷) دعوت اسلام، ص ۲۸۲

(۶۸) دعوت اسلام، ص ۲۸۲

(۶۹) فاطمی دعوت اسلام، ص ۱۳۰

(۷۰) فاطمی دعوتِ اسلام، ص ۱۳۵

(۷۱) مولانا محمد علی: ذاتی ڈائری کے چند ورق میں مولانا عبدالماجد دریابادی کا ایک مضمون بطور ضمیمہ ص ۶۰۲ تا ۶۱۶ شامل ہے۔ اس میں مولانا کے جذبۂ تبلیغ اسلام کا اظہار ہوتا ہے کہ ان کو اسلام کی اشاعت کی کتنی دھن تھی۔

(۷۲) ہم کیوں مسلمان ہوئے، ص ۳۲۹

(۷۳) فاطمی دعوتِ اسلام، ص ۱۲۹

(۷۴) تذکرہ صوفیائے میوات، ص ۳۳۱

(۷۵) بروایت مولانا محمد الیاس ندوی، مقیم حال جمال گڑھ، گڑگاؤں، ہریانہ

(۷۶) ہم کیوں مسلمان ہوئے، ص ۱۶۰

(۷۷) دعوت اسلام، ص ۲۸۲

(۷۸) ماہنامہ اسلام، ج ۲، شمارہ ۴، جولائی ستمبر ۱۸۹۸، ص ۴۵، بحوالہ دعوت اسلام، ص ۲۸۲

(۷۹) دعوتِ اسلام، ص ۲۸۳

(۸۰) دعوت اسلام (از محسن عثمانی) ص ۱۴۶-۱۴۷

(۸۱) دعوت اسلام (از محسن عثمانی) ص ۱۷۳-۱۷۴

(۸۲) مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص ۵۵۴

سلاطین کی تبلیغی خدمات

تمہید

جیسا کہ تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح ہند سے قبل ہندستان میں مسلمانوں کی خاصی آبادی تھی۔ تجارت کے علاوہ حکومت سے متعلق امور میں بھی مسلمانوں کا دخل تھا۔ پہلی صدی ہجری کے نصف آخر میں بہت سے مسلمان سندھ میں آباد ہو گئے تھے، جن میں پانچ سو وہ فوجی بھی شامل تھے، جو محمد علافی کی قیادت میں سندھ میں پناہ گزیں تھے۔ راجا داہر کے حکمراں بننے کے بعد اس کو متعدد بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا جن میں ایک بغاوت راجا رمل نے کی۔ راجا داہر اس کو فرو کرنے میں ناکام رہا۔ درباری مشیروں کے کہنے پر راجا داہر نے محمد علافی سے اس بغاوت کو ختم کرنے کے سلسلہ میں مشورہ کیا۔ محمد علافی نے محض اپنے پانچ سو ساتھیوں کی مدد سے اس کو فرو کر دیا۔ اس طرح ان مسلمانوں کو راجا داہر کا خصوصی تقرب حاصل ہو گیا اور ان سے مختلف امور مملکت میں مشورہ کیا جانے لگا۔(۱)

محمد بن قاسم کے حملہ سے قبل سندھیوں اور عربوں میں کئی جنگیں ہو چکی تھیں۔ اہل سندھ نے یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ عربوں سے نبرد آزما ہونا شاید آسان نہ ہو، اس لیے بعض علاقوں نے آئندہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے خود جزیہ کی پیش کش کر کے امان حاصل کر لی تھی۔ ایسا ہی ایک شہر نیرون ہے جہاں کے باشندے بدھ مذہب کے پیرو کار تھے اور انھوں نے از خود جزیہ کی پیش کش کر کے حجاج بن یوسف سے امان کا پروانہ حاصل کر لیا تھا۔(۲)

محمد بن قاسم اور فتحِ سندھ

سندھ پر پہلا باضابطہ کامیاب حملہ محمد بن قاسم کی زیر قیادت کیا گیا۔ اس حملہ کے اسباب معروف ہیں۔ پہلا سبب تو یہ تھا کہ راجا داہر نے متعدد باغی مسلمانوں کو پناہ دے رکھی تھی اور کئی دفعہ کی سفارتی کوششوں کے باوجود ان کو اپنے علاقہ سے نہیں نکالا تھا۔

دوسرا اور اصل سبب یہ تھا کہ لنکا کے راجا نے کچھ تحفے تحائف حجاج کو بھیجے تھے۔ وہ جہاز سندھ کے قریب بحری قزاقوں نے لوٹ لیے۔ بہت سے مسلمان، مرد، عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا تھا۔ حجاج نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو راجا داہر نے کہا کہ یہ کام بحری قزاقوں کا ہے جو میرے اختیار میں نہیں، راجا داہر کا یہ عذر لنگ تھا، اور حجاج اس سے اچھی طرح واقف تھا۔ چناں چہ راجا داہر کے قتل ہو جانے کے بعد ان قیدیوں کو راجا داہر کا وزیر سی ساکر برہمن آباد کے قلعہ کے قید خانہ سے نکال کر لایا تھا۔ (۳)

سندھ پر یہ حملہ ایک طرف تو خلافت کی توسیع کا سبب ہوا۔ دوسری طرف اس کے ذریعہ اشاعت اسلام کے لیے میدان ہموار ہوا۔ چناں چہ اس فتح کے بعد چند صدیوں میں سندھ کا غالب مذہب اسلام ہو گیا۔

فتح سندھ کے وقت سندھ کے مذہبی حالات کا مختصر جائزہ لینا مفید ہوگا۔ سندھ میں اس وقت دو مذہب تھے۔ ایک برہمن مذہب دوسرا بدھ مذہب۔ اول الذکر کو ہندو مذہب یا اور کوئی نام دیا جاسکتا ہے۔ بدھ مذہب سندھ کا عوامی مذہب تھا۔ سندھ کی غالب اکثریت اسی کی پیرو تھی۔ برہمن مذہب صرف برہمنوں اور ٹھاکروں کا مذہب تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ برہمن اور ٹھاکر سندھ پر بحیثیت قابض حکمراں تھے اور ان میں سے بڑی تعداد ایسی تھی جو سندھ کی مستقل باشندہ بھی نہیں تھی۔

راجا داہر کا باپ راجا چچ معمولی برہمن تھا۔ اپنی خداداد صلاحیت سے اس نے سندھ کے راجا ساہ سی کے دربار میں مقام بنالیا اور ساہ سی کے مرنے کے بعد اس کی رانی سوبھن کی سازش سے چچ ہی سندھ کا حکمراں ہو گیا۔ چچ نے سوبھن کی مدد سے جلد ہی ایک بڑی حکومت قائم کرلی۔ اس کے زمانہ میں زمام اقتدار برہمنوں اور ٹھاکروں کو منتقل ہوگئی۔ ۶۶۰ھ میں راجا چچ مر گیا اور اس کا بھائی چندر حکمراں ہوا۔ چندر بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ اس نے بدھوں پر ہونے والے مذہبی جبر کا خاتمہ کیا۔ بلکہ لوگوں کو دوبارہ بدھ مذہب قبول کرنے پر مجبور کرنا شروع کیا۔ (۴)

۸ سال حکومت کرنے کے بعد ۶۶۸ء میں راجا چندر مر گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ طوائف الملوکی رہی جس میں ایک حصہ پر راجا چچ کے بیٹے داہر نے اپنی حکومت قائم کرلی، جو بعد میں پورے سندھ کا حکمراں بن گیا۔ راجا داہر ہندو مذہب کا پیرو تھا۔ اس کے ارکان دولت بھی ہندو تھے اور زیادہ تر برہمن یا ٹھاکر تھے۔ جب کہ عوام کا مذہب ہنوز بدھ مذہب تھا۔ (۵)

اس طرح فتح سندھ کے وقت گویا حکمراں محاذ اور عوام کے درمیان مذہبی بنیادوں پر ایک کش مکش تھی۔ حکمراں ہندو تھے اور عوام بدھ۔ حکمراں طبعاً اس کے خواہش مند ہوں گے کہ عوام کا ایک طبقہ ہندو ہو جائے تا کہ ان کی حکومت کو استقرار مل سکے۔

اس کے برخلاف عوام بدھ مذہب کو ترک کرنے پر رضامند نہ تھے۔ ان کے لیے ہندو ہو جانا اپنے آپ طبقاتی کش مکش کے دائرے میں قید کرنے کے مترادف تھا۔ اس کشمکش کا فائدہ مسلمانوں کو حاصل ہوا۔ برہمنوں اور ٹھاکروں کے ظلم سے ستائے ہوئے بدھوں نے بالعموم مسلمانوں کا استقبال کیا۔ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ نیرون کے باشندوں نے حجاج سے امان حاصل کر لی تھی۔ فتح سندھ کے دوران نیرون کے اس حاکم نے محمد بن قاسم کی بڑی مدد کی۔ سامان رسد کا انتظام کیا۔ (٦) اسی طرح جب شری ویدداس کے مقام پر محمد بن قاسم پہنچے تو چوں کہ وہاں کی اکثریت بدھ تھی انھوں نے بھی محمد بن قاسم کا استقبال کیا اور ہر طرح وفادار رہنے کا یقین دلایا۔

علاقہ سہوان سیوستان کا حاکم بجے رائے تھا جو راجا داہر کا بھتیجہ تھا۔ سہوان کے ماتحت بھرچ کی طرف جب محمد بن قاسم نے رخ کیا تو وہاں کے باشندوں نے بجے رائے کو خط لکھا کہ:

> ''ہم لوگ بدھ ہیں۔ ہمارے مذہب میں خونریزی ناروا ہے۔ آپ کی طرح ہم لوگ محفوظ بھی نہیں ہیں۔ عربوں کے متعلق جہاں تک ہمیں علم ہے وہ یہ ہے کہ امان مانگنے پر وہ شہر کو نہیں لوٹتے، بلکہ وعدہ کے مطابق ہر طرح شہر کی حفاظت کرتے ہیں، اس لیے مجبور ہو کر ہم لوگ اطاعت قبول کر لیتے ہیں۔'' (٧)

چناں چہ انھوں نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد سیوستان یا سہوان کی رعایا نے بجے رائے کو بھی اطاعت کا مشورہ دیا۔ اس نے نہ مانا تو سارے شہر نے محمد بن قاسم کو اطلاع کر دی کہ ہم لوگ اس جنگ سے الگ ہیں۔ اس اطلاع سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے، انھوں نے سخت حملہ کیا۔ مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر بجے رائے رات کی تاریکی میں فرار ہو گیا، اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ (٨)

چند ایک مقام ہے، وہاں کے بدھ حاکم نے مسلمانوں کی جاسوسی کے لیے ایک شخص کو بھیجا۔ اس نے مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو ان کے اتحاد سے اس قدر متاثر ہوا کہ شہر میں آ کر مشورہ دیا کہ ان سے جنگ نہ کی جائے۔ چناں چہ چند والوں نے اطاعت کر لی۔ (٩)

محمد بن قاسم نے سہوان کی فتح کے بعد سیسم یا سیوی کا رخ کیا۔ یہاں بدھیا کا حاکم رانا کا کا تھا۔ یہ علاقہ بدھ مذہب کے پیروکاروں پر مشتمل تھا۔ حاکم بھی بدھ تھا، اس نے کچھ توقف کے بعد اطاعت قبول کر لی۔ (۱۰)

محمد بن قاسم نے بھی کا کا رانا کی بڑی عزت افزائی کی، اس سے دریافت کیا کہ اگر کسی کو سرفراز کرنا ہو تو آپ لوگ کس طرح کرتے ہیں۔ کا کا رانا نے بتایا کہ اس کو سر دربار کرسی نشین کرا کے ریشمی لباس پہنا کر اس کے سر پر پگڑی باندھتے ہیں۔ (۱۱) محمد بن قاسم نے کا کا رانا کو اسی طرح سرفراز کیا۔ رانا کا کا بدھ مت کا پیرو تھا۔

بدھ مذہب کے ماننے والوں کے علاوہ خود برہمن مت کے پیروؤں نے بھی محمد بن قاسم کی مدد کی۔ یہ مدد کئی وجوہ کی بنا پر تھی۔

(۱) مسلمانوں کے برتاؤ سے متاثر ہوئے۔

(۲) حالات کا رخ دیکھ کر اس کو بہتر سمجھا کہ مسلمانوں سے تعلقات استوار کیے جائیں۔

(۳) اپنی کسی ذاتی دشمنی کی وجہ سے کسی کے خلاف مدد کی۔

بھٹو قوم کے مذہب کے بارے میں واضح طور پر معلوم نہیں، غالباً وہ بھی اس وقت بدھ تھے۔ انھوں نے امان طلب کر لی تھی، (۱۲) لیکن راجا راسل یقیناً برہمن مذہب کا پیرو اور نسلاً ٹھاکر تھا۔ اس نے بھی امان طلب کی۔ راسل کا بھائی موکا وہ پہلا ہندستانی ہے جس کی مسلمانوں نے تاج پوشی کی، موکا کو محمد بن قاسم نے اپنی حمایت میں لینے کے لیے خط لکھا کہ اگر تم ہماری مدد کرو تو صوبہ کچھ اور سورتھ تم کو دے دیے جائیں گے۔ موکا نے جواب میں جو خط لکھا وہ دلچسپ ہے اس نے لکھا:

> ''آپ نے جو میرے ساتھ احسان کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، اس کا شکریہ۔ مجھے آپ کی اطاعت میں کوئی عذر نہیں بلکہ میں اس کو اپنے حق میں بہتر سمجھتا ہوں لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بادشاہ اپنے خادموں کو اگر کوئی ملک بخیال حفاظت عطا کرتا ہے تو بغیر کسی ایسی وجہ کے کہ جس سے جان اور عزت خطرہ میں ہو اس سے غداری اور بے وفائی کرنا امانت میں خیانت کرنا ہے، میرا ملک بلکہ داہر کی تمام مملکت میرا وطن اور باپ دادا کا ورثہ ہے، داہر سے میری رشتہ داری بھی ہے جو بلندی اس کو حاصل ہوگی اس میں میرا بھی حصہ ہوگا۔ اس لیے اس کے ہر رنج و راحت میں شریک رہنا میرا فرض ہے۔ لیکن عقل اور فلسفیانہ دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ملک ہمارے قبضہ سے نکل

کر کسی اور کے قبضہ میں جانے والا ہے اور عقل مند وہ ہے جو موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دے تا کہ آنے والی مصیبت سے محفوظ رہے۔

چوں کہ آپ نے مجھے قابل اعتماد سمجھا اور میرے ساتھ آپ بڑی فیاضی سے پیش آئے، اس لیے میرا بھی فرض ہے کہ آپ کا ساتھ دوں، لیکن اگر جنگ میں آپ کا ساتھ دوں تو میرا خاندان بدنام اور میں ذلیل ہو جاؤں گا اس لیے تدبیر یہ ہے کہ میں اپنی لڑکی کی شادی کے بہانے سے کڑا جا رہا ہوں۔ آپ ایک ہزار آدمی بھیج کر مجھے گرفتار کر لیں۔" (۱۳)

جب موکا کو گرفتار کر کے لایا گیا تو محمد بن قاسم نے اس کو فوراً کرسی پر بٹھایا۔ ایک لاکھ درہم انعام دیے۔ ایک ہرے رنگ کا چھتر دیا جس پر مور بنا ہوا تھا اور اسے علاقہ بیٹ کی حکومت دی۔ موکا نے ہمیشہ وفادار رہنے کا عہد کیا۔ (۱۴)

دیبل جس کو مسلمانوں نے سب سے پہلے فتح کیا تھا اس کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ ایک برہمن کے مشورہ پر فتح ہوا تھا۔ (۱۵)

محمد بن قاسم کے اچھے برتاؤ اور برہمنوں کے ظلم سے نجات پا کر بدھ بکثرت مسلمان ہوئے، بعض برہمنوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ راجا داہر کے دربار میں مسلمانوں کا جو وفد گیا تھا اس میں مولائے اسلام دیبلی بھی شامل تھے، جو برہمن تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔

راجا موکا کے بھائی راجا راسل نے جو بیٹ کا حکمراں تھا اور داہر کے امراء میں سے تھا، حالات کے رخ نے اس کو بھی محمد بن قاسم کی حمایت پر آمادہ کر دیا۔ اس نے محمد بن قاسم کو لکھا کہ میں آپ کے ساتھ جنگ نہیں کرنا چاہتا لیکن اگر میں حاضر ہوتا ہوں تو میرے لیے باعث عار ہے، میں راجا سے ملنے کے بہانے فلاں راستہ سے جاؤں گا، آپ مجھے گرفتار کر لیں۔ (۱۶)

راجا راسل اس طرح مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گیا اور موکا اور راسل نے مل کر محمد بن قاسم کی بڑی مدد کی۔ متعدد فوجی مہمیں انھی کے مشوروں سے سر ہوئیں، داہر کے ساتھ فیصلہ کن جنگ میں ان دونوں کی مدد خاص طور پر موثر رہی۔ موکا کے ساتھ اس وقت ۱۳ ہزار سندھی فوج عربوں کی حمایت میں تھی۔ (۱۷)

راجا داہر کے خلاف عین میدان جنگ میں بھی چند برہمنوں نے محمد بن قاسم کی مدد کی تھی، آخری معرکہ کے دن چند برہمنوں نے محمد بن قاسم کے معسکر میں پہنچ کر امان طلب کی۔

امان مل جانے پر بتایا کہ راجا داہر کی فوج عقب سے غیر محفوظ ہے۔ محمد بن قاسم نے اس سے فائدہ اٹھایا اور اس تدبیر سے دشمن کے پیرا کھڑ گئے، اسی دن راجا داہر کا خاتمہ ہوگیا۔ (۱۸)

راجا داہر کی موت کے بعد برہمن آباد، ملتان اور ارور کی جنگیں اہم ہیں۔ ارور کا قلعہ سب سے مضبوط تھا۔ اور اس کے فتح ہونے کے بظاہر آثار نہیں تھے، لیکن وہاں کے عوام بدھ تھے اور برہمن وہاں حاکم تھے۔ اتفاق یہ ہے کہ داہر کا بیٹا گوپی اسی قلعہ میں مقیم تھا اور اس نے داہر کے مرنے کی خبر لوگوں سے چھپائی تھی۔ جب یہ خبر ظاہر ہوئی تو عوام ایک دم بددل ہو گئے اور انھوں نے محمد بن قاسم کو وفد بھیجا کہ ہم نے برہمنوں سے قطع تعلق کر کے آپ کی اطاعت میں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہم قلعہ آپ کے سپرد کرتے ہیں۔ (۱۹) دو شرائط پر صلح ہوگئی۔

(۱) شہریوں کو امان دی جائے اور کوئی فرد قتل نہ کیا جائے۔

(۲) ان کے بدھ وہار برقرار رکھے جائیں۔

محمد بن قاسم کی مذہبی پالیسی

محمد بن قاسم کا یہ حملہ سیاسی نوعیت کا تھا۔ راجا داہر نے خلیفہ کے باغیوں کو پناہ دے رکھی تھی اور راجا داہر کی قلم رو میں عربوں کے جہاز بھی لوٹے گئے اور لوگ قیدی بنائے گئے لیکن راجا داہر نے نہ مجرموں کو سزا دی اور نہ ہی قید ہونے والوں کو رہا کرایا۔ بلکہ اصلاً وہ لوگ خود راجا داہر کی قید میں تھے۔ جیسا کہ آگے وضاحت کی جارہی ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر یہ جنگیں ہوئیں۔ اس طرح یہ جنگیں کوئی مذہبی یا تبلیغی نوعیت کی نہیں تھیں اور اس پورے جنگ نامہ میں کوئی ایک بھی واقعہ ایسا نظر نہیں آتا جس کو مذہبی جبر یا تشدد سے منسوب کیا جاسکے۔ محمد بن قاسم نے لوگوں کی مذہبی آزادی کو پوری طرح برقرار رکھا۔ کسی کو نہ جبراً مذہب ترک کرنے کو کہا گیا اور نہ کسی کی مذہبی آزادی میں مداخلت کی گئی۔ ابتداء محمد بن قاسم کو تردد تھا کہ اسلام بت پرستی کے خلاف ہے۔ میں بت پرستی کی اجازت کیسے دوں اور بت خانوں کی حفاظت کیسے کروں۔ چناں چہ اس نے حجاج بن یوسف سے دریافت کیا۔ حجاج نے جواب لکھا:

''تمھارا خط ملا۔ برہمن آباد کے ہندو ملتجی ہیں کہ مندر کو آباد رکھیں اور ان کو اپنے آبائی مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دی جائے۔ جب وہ لوگ ہماری اطاعت قبول کر کے

جزیہ ادا کرتے ہیں تو پھران کے مذہب یا عائلی مسائل میں مداخلت کی ضرورت نہیں ہے۔ان کی جان کی حفاظت ہمارا فرض ہے اوران کے مال پر کوئی شخص دست درازی نہ کرے وہ سب ہماری پناہ میں ہیں۔'' (۲۰)

اس خط کے ملنے کے بعد محمد بن قاسم نے شہر کے تمام معززین اور پجاریوں کو بلا کر ہدایت کی، مندر میں ہر شخص بلا خوف وخطر جاسکتا ہے اور شہر کے معزز مندر کی خدمت کرتے رہیں۔ پجاریوں کونذرونیاز دیتے رہیں، آپس میں اتحاد واتفاق سے رہیں، مسلمانوں کے ساتھ تعصب نہ برتیں تا کہ ملک میں امان رہے۔ (۲۱)

برہمن آباد میں ہندوؤں کے علاوہ بدھوں کا بڑا مندر تھا۔اس کو بھی واگزار کر دیا گیا اور بدھوں کے دیگر حقوق بھی بحال کر دیے گئے۔

ارور بدھوں کا بڑا مرکز تھا۔ یہاں کا بڑا مندر ''نووھار'' کہلاتا تھا۔محمد بن قاسم نے اس وہار سے کوئی تعرض نہیں کیا اور یہ بدستور بدھوں کے زیرانتظام رہا۔ (۲۳)

جس وقت محمد بن قاسم نے سندھ پر قبضہ کیا وہاں حکمراں طبقہ برہمن تھا۔راجا داہر کے مرنے کے بعد برہمن بھدرا کرا کے (سر کے بال منڈوا کے) محمد بن قاسم کے پاس آئے کہ ہم راجا کے ملازم تھے وہ مرگیا اب کیا کریں۔محمد بن قاسم نے ان سب کو کام پر لگا دیا۔

محمد بن قاسم نے مال گزاری پر زیادہ تر برہمنوں کو مقرر کیا اور سب کو ہدایت کی کہ مال گزاری وصول کرنے میں ظلم و جبر سے کام نہ لیں۔ (۲۴)

برہمنوں کے جو حقوق سابق ہندو حکومت میں تھے وہ برقرار رکھے گئے۔ برہمنوں کو فوج میں افسر مقرر کیا گیا اوران کے لیے جو بہترین وضع قطع ہوسکتی تھی مقرر کی گئی۔ان کو سونے کے کڑے پہننے کی اجازت دی گئی وغیرہ۔ (۲۵)

راجا داہر کے وزیر سی ساکر کو اپنا وزیر مقرر کیا اور جملہ امور میں ان سے مشورہ کیا جانے لگا۔ (۲۶)

راجا داہر کے چچا زاد بھائی یعنی راجا چندر کے بیٹے کیکا سنگھ کی محمد بن قاسم نے بڑی توقیر کی۔اس کو مبارک مشیر کا خطاب دیا اور ملکی امور میں اس سے مشورہ لینے لگا۔اس کی فوج کے ہراول دستہ کا سپہ سالار یہی راج کمار کیکا سنگھ تھا۔ (۲۷)

محمد بن قاسم اور اشاعتِ اسلام

تاریخ سندھ میں لکھا ہے کہ محمد بن قاسم نے اضلاع سندھ میں اہم سرداروں اور حکمرانوں کے نام خطوط لکھے کہ وہ اسلام قبول کریں تو ان کے مسلمانوں کو مساوی حقوق میسر ہوں گے۔بعض سرداروں نے اسلام قبول کرلیا اور بعض سردار خراج ادا کرنے پر رضامند ہوگئے۔(۲۸)

اس طرح کے خطوط کا تذکرہ سن کر راجا داہر کے وزیر سی ساکرنے چند معتبر آدمیوں کے ذریعہ محمد بن قاسم سے پروانہ امن حاصل کیا اور پھر حاضر ہوا۔محمد بن قاسم نے اس کا بڑا اکرام کیا۔مختلف انتظامی امور میں اس سے مشورے لیے اور رفتہ رفتہ وہ محمد بن قاسم کا بہت ہی معتمد بن گیا۔(۲۹)

محمد بن قاسم نے بدھوں اور برہمنوں کے ساتھ جو سلوک کیا، اس کی وجہ سے بھی وہ اسلام کی طرف راغب ہوئے ہوں گے۔اس عہد میں متعدد لوگوں کے اسلام قبول کرنے کا تذکرہ ملتا ہے۔مثلاً مولائے اسلام دیبلی برہمن تھے، مسلمان ہوگئے۔اسی طرح قبلہ بن مہتراچ بھی نو مسلم تھے۔(۳۰)

مسلمانوں کی فوج میں ہزاروں سندھی تھے اور متعدد امرائے لشکر بھی سندھی تھے۔ان میں یقیناً بہت سے مسلمان بھی تھے۔محمد بن قاسم نے متعدد لوگوں سے حلف وفاداری لے کر ان کو مختلف قلعوں میں متعین کیا۔مثلاً برہمن آباد کی طرف کوچ کرتے ہوئے دھلیلہ کے قلعہ دار دھارن کے بیٹے نوبہ کو بنایا تو اس سے حلف وفاداری لیا۔(۳۱) اس طرح کے حلف بعض مسلمانوں سے بھی لیے گئے۔مثلاً سلیمان نبہان اور ابوفضہ قشوری سے حلف وفاداری لے کر ان کو حاکم مقرر کیا گیا۔ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں بھی نومسلم ہوں۔(۳۲)

محمد بن قاسم کے بعد اشاعتِ اسلام

محمد بن قاسم کے بعد ۱۰۰ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سندھ کے تمام راجاؤں اور ٹھاکروں کے نام تبلیغی خطوط روانہ کیے۔مؤرخ بلاذری کے مطابق اکثر نے اسلام قبول کرلیا۔(۳۳) ان اسلام قبول کرنے والوں میں راجا داہر کا بیٹا جے سیہ بھی شامل تھا۔(۳۴)

جے سیہ یا جے سنگھ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے برہمن آباد کا حاکم بنایا تھا۔ جب سندھ کا عرب امیر جنید سندھ آیا تو جے سیہ نے اس کو برہمن آباد میں داخل ہونے سے روک دیا اور کہلا بھیجا کہ مجھ کو مرد صالح (عمر بن عبدالعزیز) نے یہاں کا حاکم بنایا ہے۔ جنید کو یہ بات نامنظور تھی، اس لیے جنگ ہوئی اور جے سیہ اس میں مارا گیا۔ (۳۵)

داہر کا ایک بیٹا چچ بھی تھا۔ یہ بھی مسلمان ہو گیا تھا اور جے سنگھ کے ساتھ برہمن آباد میں رہتا تھا۔ (۳۶)

بنی امیہ کے بعد بنی عباس کو خلافت ملی۔ عباسی حکمرانوں نے بھی اپنی توجہ اشاعتِ اسلام سے نہیں ہٹائی۔ تاریخ کی کتابوں میں زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔ تاہم بعض مقامات پر ایسے حوالے ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ بنی عباس کو بھی ہندستان میں اشاعتِ اسلام سے دلچسپی تھی۔ مثلاً خلیفہ مہدی کے بارے میں ملتا ہے کہ اس نے غیر مسلم عوام میں اسلام کی اشاعت کے لیے جدوجہد کی۔ اس نے صرف ہندستان کے پندرہ حکمرانوں کو خطوط لکھے۔ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا۔ مسلمان ہونے والوں میں سندھ کا ایک راجا تھا، جو رائے کہلاتا تھا اور ایک ہندستان کا راجا تھا جو مہراجا کہلاتا تھا اور پورس کی اولاد میں سے تھا۔ (۳۷)

یہ نمایاں واقعات ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ایسے شواہد ہیں جن سے دعوتی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس عہد کی دعوتی کاوشوں کے ذیل میں محمد علافی اور ان کے رفقاء کی کوششوں کو بھی نظر میں رکھنا چاہیے۔ محمد علافی اور ان کے ساتھی یقیناً تابعی رہے ہوں گے۔ یہ لوگ تیس سال سے زیادہ عرصہ تک راجا داہر کے دربار سے وابستہ رہے اور بعد میں جب داہر کے بیٹے شکست کھا کر اندرون ہند کی طرف روانہ ہوئے تو محمد علافی اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ ان سے الگ ہو گیا اور غالباً اس نے کیتھل (ہریانہ) کے قریب بود و باش اختیار کی۔ (۳۸)

محمد علافی کے ساتھیوں میں حمیم بن سامہ شامی بھی تھے۔ وہ کچھ دیگر عرب ہمراہیوں کے ساتھ جے سیہ کے ساتھ رہے۔ جے سیہ کشمیر کے راجا کے پاس گیا۔ راجا نے اس کا بڑا اکرام کیا اور اس کو "شاکلھا" نامی مقام پر جاگیر دی۔ جے سیہ نے اس جاگیر پر قبضہ لینے کے لیے حمیم بن سامہ کو روانہ کیا۔ بلکہ اس جاگیر پر عملاً حمیم بن سامہ ہی متصرف رہا۔ یہاں اس نے مسجد بھی تعمیر کرائی، جو چچ

نامہ کے مصنف کے عہد ۶۱۳ھ تک موجود تھی اور جاگیر پر بھی حمیم بن سامہ کی اولاد ہی تھی۔ (۳۹) یہ علاقہ آج کل کوہستان نمک میں واقع ہے اور کلوکھر کہلاتا ہے۔ (۴۰) جے سیہ کے اسلام لانے کے سلسلہ میں حمیم سامہ کی قربت اور ترغیب ایک اہم وجہ رہی ہوگی اور ہوسکتا ہے کہ حمیم بن سامہ اور اس کی اولاد نے اس علاقہ میں مزید اشاعت اسلام کے لیے کاوشیں کی ہوں۔

سندھی نژاد علماء

سندھ میں اسلام کی اشاعت تیزی سے ہوئی اور بہت جلد سندھی نژاد علماء عالم عرب کے درخشندہ ستاروں میں شمار ہونے لگے۔ جیسے ابومعشر سندھی، ابوعطاء سندھی، نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی، ابوعلی سندھی، ابن دھن سندھی وغیرہ۔ (۴۱) حافظ حدیث خلف بن سالم بھی سندھی تھے آل مہلب کے غلام تھے، علم حدیث میں کمال حاصل کیا۔ ابوالعطاء سندھی مشہور شاعر ہیں۔ سندھی بن علی ایک غلام تھے۔ ابوضلع سندھی جن کا قصیدہ ہندستان کی تعریف میں مشہور ہے۔ منصور ہندی، سندھی بن صدقہ، کشاجم بن سندھی بن شاھک اور فتح بن عبداللہ سندھی وغیرہ بہت سے لوگ ہیں جو فتح ہند کے بعد غلام بنا کر عالم عرب میں گئے اور علم حدیث، فقہ، شعروادب میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ (۴۲)

سندھ میں تبلیغ اسلام کے لیے مسلمانوں نے مقامی زبان میں بھی اسلام کے تعارف پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً ایک عرب عالم نے سندھی زبان میں اسلامی عقائد کو نظم کیا۔ دراصل ارور کا ہندو راجا اسلام کے عقائد کو سمجھنا چاہتا تھا۔ اس نے منصورہ کے مسلمان حاکم سے اس کی فرمائش کی۔ انھوں نے ایک عرب عالم کے ذریعہ یہ کتاب لکھوا کر بھیج دی۔ راجا نے اس کو بہت پسند کیا اور عالم کو ارور بلایا اور اس سے قرآن پاک کا سندھی زبان میں ترجمہ کروایا۔ اس ترجمہ کو سن کر راجا مسلمان ہوگیا۔ (۴۳) بعض معاصر شہادتیں ایسی بھی ہیں کہ خلیفہ بغداد اور ہندستان کے حکمراں دونوں نے اسلام اور ہندو مذہب کے درمیان مباحثے کرائے۔ بعض مباحثے بغداد میں ہی ہوئے۔ ایسے ہی ایک مباحثہ میں برہم گپت بھی بغداد گیا تھا، جس کی کتاب برہم سدھانت کا الفرازی نے ۱۵۶ھ میں ترجمہ کیا۔ (۴۴)

ابن ندیم کی الفہرست، ابن جلجل کی تاریخ الحکماء اور ابن ابی اصیبعہ کی کتاب طبقات الاطباء میں ایسے متعدد ہندو عالموں کا ذکر ہے جو بغداد کے دربار سے وابستہ تھے۔ (۴۵)

اسی طرح معروف ہے کہ ارقام یعنی ہندسہ جو آج ساری دنیا میں عربی نمبر (Arabic Numbers) کہلاتے ہیں۔ وہ بھی اسی دور میں مسلمانوں نے ہندستانیوں سے سیکھے تھے، بلکہ مشہور ہے کہ ان ہندسوں کو خود برہم گپت بغداد لے کر گیا تھا۔(۴۶)

بدھ مت کے پیروکار اور اسلام

اسلام کی آمد کے وقت سندھ کی رعایا بدھ تھی اور حکمراں برہمن تھے۔ رعیت نے بہ آسانی اسلام قبول کرلیا۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سندھ میں فتح اسلامی کے وقت غالب اکثریت بدھوں کی تھی، لیکن چوتھی صدی سے قبل ہی یا تو بدھ سندھ سے ختم ہوگئے یا پھر نہایت قلیل تعداد میں باقی رہے۔ چناں چہ البیرونی نے ہندوؤں کا ذکر کیا ہے، لیکن بدھوں کا ذکر نہیں کیا۔ جب ملتان فتح ہوا، اس وقت وہاں کی رعایا تقریباً تمام بدھ تھی اور اس میں بدھوں کا ایک عالیشان مندر ''نووھار'' تھا۔ محمد بن قاسم اس وھار میں گیا تھا۔(۴۷)

آج ملتان میں ہندوؤں کا سب سے بڑا مندر اپنے طرز تعمیر کے اعتبار سے بدھ وہار جیسا ہے۔(۴۸) اس کا قوی امکان ہے کہ اصلاً یہ بدھ وہار ہو اور بدھوں کے اسلام قبول کرنے کے بعد ہندوؤں نے اس میں اپنے طرز سے پوجا پاٹ شروع کرکے اس کو ہندو مندر بنالیا ہو۔

بدھوں کے اسلام قبول کرنے میں پہل کرنے کے کئی اسباب ہیں۔ ایک تو یہ مذہب اصول مساوات میں یقین رکھتا ہے جو اسے ہندو مذہب سے دور اور اسلام سے قریب کردیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس وقت بدھ مذہب دفاعی حیثیت میں تھا اور چاروں طرف سے ہندو مذہب کے گھیرے میں آگیا تھا۔ اس لیے بدھ مت کسی مستقل پناہ گاہ کی تلاش میں تھا۔ چناں چہ جب اسلام آیا تو بدھوں نے شاندار طریقہ سے اس کا خیر مقدم کیا۔ گیارہویں صدی کی ایک سنسکرت کتاب میں اسلام کے تصورِ مساوات کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہوا ہے:

> ''ذات پات کے امتیازات آہستہ آہستہ غائب ہوجائیں گے، کیوں کہ ہر ہندو خاندان میں ایک مسلمان موجود ہے۔''(۴۹)

اسی کتاب میں جس کا نام شونیہ پران اور جس کا مصنف رامئی پنڈت ہے مسلمانوں کو دھرم کی اولاد قرار دیا ہے۔(۵۰)

بدھوں نے ہندوؤں کے خاتمہ اور مسلمانوں کے غلبہ سے متعلق متعدد پیش گوئیاں رائج

کیں۔ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اس پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

''بدھوں نے عرب حملہ آوروں کے خلاف کسی خصومت کا اظہار نہیں کیا، جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ احساس محرومی کا شکار تھے اور ہندوؤں کی حکومت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے اسی لیے سندھ پر عربوں کی حکومت کے قائم ہو جانے۔کی متعدد پیش گوئیاں وضع کیں۔ یہ دعویٰ بار بار کہیں نہ کہیں مل جاتا ہے کہ پرانے زمانہ کے عالموں اور ہم عصر نجومیوں نے یکساں طور پر پیش گوئیاں کی تھیں کہ ہندو خاندانوں کو زوال اور عرب قوت کو عروج ہوگا۔(۵۱) اس امکان کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا کہ اس طرح کی پیش گوئیاں پہلے سے ہوں، کیوں کہ بدھ راہبوں کی ایک بین الاقوامی برادری ہوتی تھی، وہ عظیم سیاح ہوتے تھے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کیا کرتے تھے۔ان میں جو زیادہ ہوشیار تھے ممکن ہے انھوں نے پہلے سے اندازہ لگا لیا ہو کہ سندھ میں عرب حکومت کی توسیع کے امکانات ہیں۔ بالخصوص ایسے حالات میں جب عربوں کے تجارتی مفادات کو خطرہ لاحق ہو یہ امکانات اور بھی قوی ہو جاتے ہیں۔ بہر حال خواہ یہ پیش گوئیاں عربوں کو مدد پہنچانے کے لیے گھڑی گئی ہوں یا بدھ مت کے باخبر راہبوں کی پیش بینی پر مبنی ہوں، یہ امر یقینی ہے کہ ان کی اشاعت بدھ معلموں نے کی تھی۔'' (۵۲)

ڈاکٹر قریشی کا خیال ہے کہ سندھ اور ملحقہ علاقوں میں بدھ مت کے خاتمہ کے تین اسباب تھے:

۱- ہندو مت سے کش مکش کے آغاز میں بودھ مت نے اول الذکر کو بنیادی مراعات دے دی تھیں اور جب ایک مذہب دوسرے مذہب کے بارے میں اس قسم کی پسپائی کا رویہ اختیار کرتا ہے تو اس کی اخلاقی سکت اور قوت مقاومت ختم ہو جاتی ہے۔ اس علاقہ میں بدھوں کے بہ کثرت اسلام قبول کرنے اور آخر میں بدھ مت کے غائب ہو جانے کی یہی توجیہ ہے۔

۲- اس کے علاوہ بہت سے لوگوں کو اسلام، ہندو مت کے مظالم سے نجات پانے کا ایک ذریعہ نظر آتا ہے۔

۳- رواداری کی جو مثال عربوں نے قائم کی تھی، اس نے بھی بہت سے بدھوں کے دل اسلام کی طرف مائل کر دیے تھے۔(۵۳)

ان اسباب کے ساتھ ایک اہم سبب اور بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ کے متعدد ممالک مسلمان ہونے سے پہلے بدھ مذہب کے پیروکار تھے۔ جب وہاں اسلام آیا تو بدھوں نے بالعموم اسلام قبول کرلیا اور بڑے بڑے مسلمان علماء امام بخاری اور امام ترمذی جیسے محدث انھی علاقوں میں پیدا ہوئے۔ اس طرح بدھوں کے مسلمان ہونے کی روایت تھی۔ سندھ میں بھی جب اسلام غالب ہوا تو وہاں کے عوام نے دیگر ممالک کے بدھوں کی طرح اسلام قبول کرلیا۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، گیارہویں صدی عیسوی کی ابتداء میں بھی ایسے شواہد نہیں ملتے کہ سندھ میں بدھ مت باقی رہا ہو۔ البتہ اس وقت بہار اور بنگال میں بڑی تعداد میں بودھ تھے۔ لیکن وہ بھی برہمن حکمرانوں کے نشانۂ ستم تھے۔ بنگال میں مہایان بدھوں کی اکثریت تھی۔ اس فرقہ کے ایک عالم پنڈت رامئی نے گیارہویں صدی میں شونیہ پران کے نام سے سنسکرت میں ایک کتاب لکھی۔ اس میں مسلمان فاتحین کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ اس عہد کے بعض دیگر مراجع اور عوامی گیتوں میں بھی اسلام کی تعریف کی گئی ہے اور مسلمانوں کو ایک نجات دہندہ اور دھرم محافظ کی شکل میں دکھایا گیا ہے۔

شونیہ پران میں لکھا ہے کہ دھرم کے ماننے والوں پر برہمنوں نے حملہ کیا۔ چوں کہ دھرم کے ماننے والے برہمنوں کے زبردستی کے مذہب کو نہیں مانتے تھے، اس لیے بدھ اس حملہ سے خوف زدہ ہوگئے۔ ان کے پاس اس سے بچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، اس لیے انھوں نے دھرم سے دعا مانگی۔ یہ دعا قبول ہوگئی اور دھرم نے مسلمانوں کا بھیس دھارن کرلیا۔ شونیہ پران میں دیوتاؤں کو پیغمبرِ اسلام اور دیگر مذہبی بزرگوں کے روپ میں دکھایا ہے۔ بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی شونیہ پران کا مصنف مسلمانوں کے عقائد سے واقف نہیں ہے، اس کے تخیل میں محمد برہما ہیں اور شیو آدم ہیں۔ بقیہ دیوتا درجہ بدرجہ عظیم مسلم شخصیات اور دیویاں عظیم مسلم خواتین بن جاتی ہیں۔ سورج اور چاند مسلمانوں کے مددگار ہیں۔ وہ سب مل کر برہمنوں پر حملہ کرتے اور ان کو سزا دیتے ہیں۔ (۵۴)

رنجن شاہ کا قبول اسلام

اسی عہد میں کشمیر میں اسلام کا تعارف شروع ہوا۔ کشمیر میں اشاعتِ اسلام کی تاریخ حمیم بن سامہ شامی سے شروع ہوتی ہے، جس نے کلوکھر کے مقام پر قیام کیا اور وہیں اس کے اخلاف مستقل رہے۔ اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

کشمیر میں مسلمان تاجروں کی آمد و رفت تھی۔ چین کے ساتھ عربوں کی تجارت کشمیر کے راستہ سے ہوتی تھی، اس لیے یہ گویا ایک تجارتی گزرگاہ بھی تھی اور اہم مقام پر ہونے کی وجہ سے تجارتی مرکز بھی تھا۔

۱۰۳۳ء میں جب سلطان مسعود غزنوی نے کشمیر فتح کیا تو اس وقت یہاں مسلمان تاجروں کی بستیاں تھیں۔ (۵۵)

کشمیر میں مسلمانوں کو حکومت محض اتفاق سے مل گئی۔ کشمیر میں ایک راجا سنگھ دیو تھا۔ اس کے یہاں بہت سے مسلمان ملازم تھے۔ ان میں ایک ملازم شاہ مرزا تھا۔ وہ اپنے حسن انتظام کے سبب جلد ہی راجا کا مقرب ہو گیا۔ راجا سنگھ دیو کی وفات کے بعد ۱۳۲۴ء میں رنجن شاہ حکمراں ہوا۔ رنجن شاہ نے شاہ مرزا کی ترغیب سے کشمیر کے ایک صوفی بلبل شاہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا اور اپنا نام صدرالدین رکھا۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ (۵۶)

۱۳۴۳ء میں صدرالدین کی وفات کے بعد شاہ مرزا نے شمس الدین شاہ کے نام سے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ (۵۷)

رنجن دیو کے مسلمان ہونے کے سلسلہ میں بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس نے حق کی تلاش میں بدھ مذہب اختیار کیا تھا لیکن اس سے مطمئن نہیں ہوا اور دوبارہ ہندو ہونا چاہتا تھا لیکن برہمنوں نے اس کو ہندو بنانے سے انکار کر دیا۔ اس لیے اس نے اسلام قبول کرلیا۔ (۵۸) لیکن یہ بات محض ظن و تخمین پر مبنی ہے۔ تاریخی حقائق سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ چوں کہ اس زمانہ میں بدھوں کا ہندو ہونا عام بات تھی، شمالی ہند میں بدھوں کو جبریہ ہندو بنایا جارہا تھا تو ایک راجا کا اپنی رضامندی سے ہندو ہونا برہمنوں کو کیوں نامنظور ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ شاہ مرزا اور دیگر مسلمانوں کی صحبت نے اس کو اسلام سے متعارف کرایا ہوگا، جس کی وجہ سے وہ مشرف بہ اسلام ہوا ہوگا۔

رنجن دیو کے ساتھ دس ہزار لوگ بھی مسلمان ہوئے تھے۔ (۵۹) اس طرح ان کا اسلام گویا ایک طبقہ کا اسلام تھا۔ رنجن دیو کی وفات کے بعد ریاست میں جو بدنظمی پیدا ہوئی تھی، اس کے متعلق میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا خیال ہے کہ یہ نومسلموں اور برہمنوں کے درمیان حصول اقتدار کے لیے کشمکش ہوئی تھی، جس میں بالآخر مسلمان کامیاب رہے۔ (۶۰)

غزنوی عہد اور اشاعتِ اسلام

ہندستان میں مسلم حکومت کا دوسرا دور امیر ناصرالدین سبکتگین سے شروع ہوتا ہے۔

محمد بن قاسم نے ملتان فتح کیا تھا، اس کے بعد تین صدی تک ملتان ہی سرحد کا کام دیتا رہا اور مسلمانوں کے حدود مملکت اس سے آگے نہیں بڑھے۔

اس عرصہ میں اشاعت اسلام کا کام انجام دیا جاتا رہا جیسا کہ صوفیہ اور علماء کی کاوشوں کے ذیل میں ذکر ہوا، لیکن ابھی مسلم حکومت نہیں قائم ہو سکی تھی۔

ناصر الدین سبکتگین (۳۸۸ھ/ ۹۹۸ء)

مسلم حکومت سے محاذ آرائی ۹۷۹ء میں اس وقت شروع ہوتی ہے جب پنجاب کا راجا جے پال غزنی پر حملہ آور ہوتا ہے۔ دراصل راجا جے پال نے اپنی سرحد پر ایک قوت کو پنپتے دیکھ کر خطرہ محسوس کیا۔ اس لیے اس نے غزنی پر حملہ کر دیا لیکن اس کو شکست ہوئی اور تاوان جنگ ادا کرنے کی شرط پر جے پال کو صلح کرنی پڑی۔ جے پال نے مجبوراً صلح کر لی، لیکن لاہور پہنچ کر تاوان جنگ دینے سے انکار کر دیا اور سبکتگین کے آدمیوں کو قید کر دیا۔

سبکتگین نے اس بدعہدی کی سزا دینے کے لیے لاہور پر چڑھائی کر دی۔ جے پال بھی تیار تھا اور اس نے دہلی، اجمیر، کالنجر اور قنوج کے ہندو حکمرانوں سے بھی مدد طلب کر کے اپنی فوج کی تعداد میں زبردست اضافہ کیا تھا۔ ناصر الدین نے اپنی حربی مہارت کا فائدہ اٹھا کر اس عظیم لشکر کو شکست دی۔ اس طرح لاہور سے کابل تک پورے کا پورا علاقہ اس کے زیر اقتدار آ گیا۔(۶۱)

ناصر الدین سبکتگین کے اجداد بدھ مذہب کے پیرو کار تھے۔ کابل اور پشاور نیز غزنی میں بھی بڑی تعداد میں بدھوں کی آبادیاں ہنوز موجود تھیں، بلکہ ہندو آبادیاں بھی تھیں۔ سبکتگین کی فوج میں بڑی تعداد میں ہندو تھے۔

اس علاقہ میں مسلمان بالعموم کرامیہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ سبکتگین کے معاصر ابوبکر اسحاق کرامیہ کے مقتدر علماء میں سے تھے اور غزنی کے دربار میں ان کا بڑا اثر تھا۔ اس کے جذبہ تبلیغ کا اثر تھا کہ پانچ ہزار غیر مسلم (یقیناً بدھ اور ہندو) ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ خود سلطان بھی ان کا بڑا اکرام کرتا تھا اور غالباً انھی کی تلقین پر اس نے سندھ اور ملتان کے اسماعیلیوں پر حملہ کیا۔ کرامیہ فرقہ محمود غزنوی کے بعد روبہ زوال ہو گیا۔

محمود غزنوی (۴۲۱ھ/ ۱۰۳۰ء)

محمود غزنوی نے ۱۰۰۱ میں انند پال کو شکست دی۔ اس کے بعد ۱۰۰۵ میں اسماعیلی حاکم

ابو الفتح داؤد کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے گیا۔ راستہ میں آنند پال نے اس پر حملہ کر دیا۔ اگرچہ انند پال کو شکست ہوئی لیکن محمود غزنوی اس سے مطمئن نہیں ہوا اور اس نے ابو الفتح داؤد کے خلاف تادیبی کارروائی سے فراغت کے ایک سال بعد پشاور کے قریب انند پال کو پھر شکست دی اور کانگڑہ تک کا علاقہ اپنی قلم رو میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد بھی محمود غزنوی نے ہندستان پر متعدد حملے کئے، جن کی سرحدیں گجرات اور متھرا تک تھیں۔

محمود غزنوی کے عہد میں لاہور اسلامی مرکز بن گیا۔ یہاں مستقل مسلمان حاکم رہنے لگا اور ہندستان کے دیگر شہروں میں بھی مسلمان آباد ہو گئے۔ خاص طور پر اجمیر میں ان کی آبادی کے واضح ثبوت ملتے ہیں اور دیگر شہروں، قنوج، بنارس وغیرہ میں ان کی آبادی کی موجودگی کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

سلطان محمود غزنوی کے بعد اس کے بیٹے سلطان مسعود نے حصار پر قبضہ کیا لیکن اس کا قبضہ زیادہ دن تک باقی نہیں رہا۔ البتہ لاہور مستقل اسلامی قلم رو میں شامل رہا۔ ہندستان کے راجاؤں نے اس پر کئی مرتبہ حملہ کیا لیکن لاہور کے لوگوں نے اس کو ناکام بنا دیا۔

سالار مسعود غازی (۴۲۱ھ/ ۱۰۳۱ء)

سلطان محمود کی معاصر ایک اہم شخصیت جن کا اشاعت اسلام میں خاص حصہ ہے سید سالار مسعود غازی کی ہے۔

۴۲۱ھ/ ۱۰۳۱ء میں سید سالار نے اپنا سفر شروع کیا اور بہت کم وقفہ میں متعدد فتوحات حاصل کیں۔ ان کے سفر کا آغاز اجمیر سے ہوتا ہے۔ اجمیر اور دہلی کے درمیان دھندہ گڑھ ریواڑی کے قریب راجا کرن پال نے ان پر شب خون مارا۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے انھوں نے کرن پال کا تعاقب کیا۔ اس نے تجارہ کے راجا تیج پال کے یہاں پناہ لی، لیکن راجا تیج پال کو بھی شکست ہوئی۔ اس کے بعد مسلمان ہو گیا۔ اس کا نام جلال خاں رکھا گیا۔

نواح دہلی میں میواتیوں کی بستیاں قدیم زمانہ سے آباد ہیں اور سالار کی قسم، سالار کا جھنڈا وغیرہ ان کے یہاں معروف ہیں، جس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ اسی روایت سے مستفید ہو کر مسلمان ہوئے ہوں گے۔

سیّد سالار نے مستر کی (بارہ بنکی) کو اپنا مستقر قرار دے کر گرد و نواح میں اشاعت اسلام

کے لیے اپنے ماتحتوں کو بھیجا۔ خود بھی جہاد کرتے رہے اور ۴۲۴/ ۱۰۳۵ء میں ان کی شہادت ہوئی۔ (۶۲)

سلطان محمود غزنوی نے سفر سومنات میں نارائن پور فتح کیا تھا۔ نارائن پور کے قریب تھانہ غازی نام کا ایک قصبہ ہے۔ اسی طرح اسی علاقہ میں سالار پور بھی۔ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہاں سید سالار کے عہد سے ہی مسلمان آباد رہے ہوں گے۔ یہ قیاس اس لیے اور بھی پختہ ہو جاتا ہے کہ یہ علاقہ سالار مسعود کی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ (۶۳)

محمود غزنوی کے بعد غوری حکومت کے قیام سے قبل شمالی ہند میں مسلمانوں کی خاصی تعداد کی موجودگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً بہرائچ میں سالار مسعود غازی شہید ہوئے، لیکن ان کا پختہ مزار دہلی سلطنت کے ابتدائی ایام میں تعمیر ہوا۔ نظامی صاحب نے اس سے یہ قیاس کیا ہے کہ اس وقت بہرائچ میں یقیناً کچھ لوگ مسلمان موجود رہے ہوں گے۔ مزار کی حفاظت انہی کے وجود کی مرہون منت ہے۔ (۶۴)

بعض اور مقامات پر بھی اس عہد کے بعض مسلم مزارات کا ذکر ملتا ہے، مثلاً میران ملهم کا مزار بدایوں میں، خواجہ مجد الدین کا بلگرام میں، گوپامئو میں لال پیر کا مزار، اناؤ میں گنج شہیداں، منیر (بہار) میں امام تقی فقیہ کا مزار۔ یہ تمام مزارات غوری حملہ سے پہلے کے ہیں۔ (۶۵)

سید سالار مسعود غازی کی طرف انتساب کیا جاتا ہے کہ وہ اس علاقہ سے گزرے اور بہرائچ جا کر راجا بالادت کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔

مشہور محدث حسن صغانی ۵۷۷ھ میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ (۶۶) یہ بھی فتح دہلی سے قبل کا واقعہ ہے۔ اس سے نظامی صاحب نے بدایوں میں مسلم آبادی کے امکان کی توثیق کی ہے۔

جدید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ فتح دہلی سے بہت قبل قنوج میں ایک مسلم محلّہ تھا۔ (۶۷)

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ محمود غزنوی کے حملہ کے بعد سے بنارس میں مسلمان مسلسل رہے۔ اس طرح سلطان مسعود کے حملہ سے قبل سرستی نام کی ہندستانی ریاست میں مسلمان تھے۔ (۶۸)

مسلمانوں کی یہ بستیاں ممکن ہے کہ قنوج میں تجارتی نوعیت کی ہوں اور بنارس میں ہندو راجا کے فوجی مسلمان رہے ہوں۔ تاہم یوپی کے بعض اور مقامات جیسے بدایوں، بلگرام، بہرائچ

وغیرہ کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ دراصل مسلمان فاتحین کے زیر اثر یہاں مسلمانوں کا نفوذ ہوا تھا۔ اس کے ساتھ بلند شہر کا معاملہ بھی ہے۔ بلند شہر جس کا قدیم نام برن ہے، اس کو سلطان محمود غزنوی نے ۱۰۱۹ء میں فتح کیا تھا۔ یہاں کا راجا ہردت مسلمان ہو گیا تھا۔ ایلیٹ کے اندراج سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنی جان کے تحفظ کے لیے دس ہزار آدمیوں کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا اور جب محمود غزنوی واپس چلا گیا تو پھر اپنا آبائی مذہب اختیار کر لیا۔ (۶۹)

بعض متعصب مؤرخین اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے ہردت کو بہ زور شمشیر مسلمان کیا گیا تھا اور جب محمود غزنوی واپس چلا گیا تو وہ دوبارہ ہندو ہو گیا۔ یہ انداز اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ محمود غزنوی کا مقصد صرف اشاعتِ اسلام تھا اور ہردت نے محض جان کے خوف سے اسلام قبول کیا تھا، لیکن اوپر لکھا جا چکا ہے کہ سلطان محمود متعصب حکمراں نہیں تھا اور نہ اس نے جبریہ مذہب تبدیل کرایا۔

ہردت نے اسلام قبول کیا اور پھر ترک کر دیا اس سلسلہ میں صرف ایک دلیل ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب قطب الدین ایبک نے برن پر حملہ کیا تو وہاں کا راجا چندرسین تھا۔ یہ ہردت کی اولاد سے تھا اور نام سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندو تھا۔ (۷۰) لیکن یہ دلیل درست نہیں ہے۔ محمود غزنوی کے دو سو سال کے بعد قطب الدین ایبک نے حملہ کیا۔ اس دوران کتنی تبدیلیاں آئیں۔ ہو سکتا ہے کہ راجا کے اخلاف پھر ہندو ہو گئے ہوں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عوام میں بھی کوئی مسلمان نہ رہا ہوگا۔

محمود غزنوی کے بارے میں مؤرخین کا ایک گروہ اس طرح تصویر کشی کرتا ہے جیسے اس کا مقصد مندروں کو منہدم کرنا، ہندوؤں کو تہہ تیغ کرنا یا جبریہ مسلمان بنانا تھا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ محمود کے عہد میں صرف سومناتھ کا مندر منہدم کیا گیا۔ اس کے علاوہ کسی مندر کا انہدام نہیں ہوا۔ رچرڈ ام ایٹن (Richard M. Eaton) ایک امریکی مورخ ہیں۔ اریزونا یونیورسٹی (Arizona University) امریکہ میں ہندستانی تاریخ کے پروفیسر ہیں۔ ہندستان میں اسلام ان کا خاص موضوع ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کے ذریعہ ہوئے مندروں کے انہدام پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے۔ اپنے مقالہ میں محمود کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کے عہد میں صرف سومناتھ کا مندر توڑا گیا۔ نیز اس کے حملہ کے مادی مقاصد تھے۔ اس نے جس طرح ہندو شہروں پر حملہ کیا، اسی طرح مسلمان شہروں پر ایران میں حملہ کیا تھا۔ (۷۱)

اس لیے محمود کے حملوں کو اسلام کی جبریہ اشاعت سے جوڑنا درست نہیں ہے۔ البتہ ایسا ہوا کہ اس کی فتوحات کے دوران بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ مثلاً برن کے راجا ہردت کا ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح وے ہند کے راجا سکھ پال نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ بعد میں اس کو ملتان کا حاکم مقرر کیا۔ اس کا نام نوسا شاہ Nawsa Shah رکھا گیا۔ قنوج میں بھی بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ۱۰۲۳ء میں کیرت کے راجا نے مفتوح ہونے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ چند نام اور ملتے ہیں جنھوں نے محمود کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا، لیکن مجموعی طور پر اس کے فتح کیے ہوئے علاقے غیر مسلم تھے۔ پشاور اور لاہور کے درمیان اس کی رعیت زیادہ تر ہندوؤں پر مشتمل تھی۔ لیکن محمود نے ان کے مذہب میں کسی طرح کی مداخلت نہیں کی۔ ان کے مندر محفوظ رہے اور ان کا طریقہ عبادت بھی سرکاری مداخلت سے بے نیاز رہا۔

محمود غزنوی کے ہندستان پر زیادہ دُوررَس اثرات مرتب نہیں ہوئے۔ دراصل محمود کا اصل نشانہ ہندستان تھا بھی نہیں۔ لاہور کے راجا جے پال کی وجہ ہندستان پر حملہ کا آغاز ہوا تھا ورنہ اس کی اصل جولان گاہ ایران وخراسان تھے۔ ہندستان پر اس کے حملے زیادہ تر جے پال اور اس کے جانشینوں کو سزا دینے کے لیے ہوئے یا پھر مادی مقاصد کے حصول کے لیے۔ اس نے ہندستان میں مستقل حکومت قائم نہیں کی جس طرح کی حکومت بعد میں غوری خانوادے نے قائم کی تھی۔ البتہ لاہور اور سندھ اس کی قلمرو میں شامل تھے، اور بدایوں اور دیگر علاقوں کے حکمراں باج گزار تھے۔

محمود غزنوی کے بعد ڈیڑھ سو سے دو سو سال کے عرصہ میں ہندستان پر کوئی قابل ذکر باہری حملہ نہیں ہوا۔ ۱۱۹۰ء میں غوری ترکوں کو قوت حاصل ہوئی اور شہاب الدین غوری نے ہندستان فتح کیا۔

شہاب الدین غوری (۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء)

شہاب الدین غوری نے ۱۱۹۰ء میں بھٹنڈہ پر قبضہ کیا۔ ۱۱۹۱ء میں ترائن کے میدان میں پرتھوی راج کو شکست دی۔ اس جنگ میں متعدد ہندو راجا شہاب الدین غوری کے ساتھ تھے۔ قنوج کا راجا جے چند بھی اس کے ساتھ تھا۔ جموں وکشمیر کا ہندو راجا اس کے علاوہ بھی اکثر جنگوں میں اس کے ساتھ رہا۔

پرتھوی راج کو شکست دینے کے بعد شہاب الدین غوری نے اجمیر کا حکمراں پرتھوی راج کے بیٹے کو بنایا۔ شہاب الدین غوری نے ایسے سکے جاری کیے جن پر دیوناگری رسم الخط میں عبارت تحریر تھی۔ ایسے بھی سکے ملے ہیں جن پر ایک طرف پرتھوی راج کا نام ہے دوسری طرف شہاب الدین غوری کا۔ ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شہاب الدین غوری ایک غیر متعصب حکمراں تھا۔ شہاب الدین غوری کے عہد میں اشاعت اسلام کے حوالہ سے کھوکھروں کا قبولِ اسلام قابل ذکر ہے۔ کھوکھر قبائلی انداز کی ایک وحشی قوم تھی جو شوالک کی پہاڑیوں کے درمیان رہتی تھی۔ اس قوم کے افراد سلطان شہاب الدین غوری کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ محمد قاسم فرشتہ نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ ممکن ہے اس میں کچھ رنگ آمیزی بھی ہوئی ہو فرشتہ نے لکھا ہے:

> ''کھوکھر دریائے سندھ اور شوالک کی پہاڑیوں کے درمیان رہتے ہیں۔ ان کی تاخت و تاراج کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ مسلمانوں سے ان کو خاص طور پر عداوت تھی۔ جو مسلمان انھیں ملتا اسے طرح طرح کی تکالیف دے کر مار ڈالتے، بالخصوص ان مسلمانوں کو جو سلطان کی طرف سے پشاور اور اس کے گردونواح میں مامور تھے۔ وہ اتنا تنگ کرتے کہ وہ بہ فراغت پنجاب کی طرف آمد و رفت نہ رکھ سکتے تھے۔ کھوکھروں کا کوئی دین و مذہب نہ تھا۔ دختر کشی ان میں عام تھی۔ جب کسی کے گھر بیٹی پیدا ہوتی تو وہ اسے اپنے دروازے پر لا کر آواز دیتا کہ کوئی ہے جو اس کی دختر کو اپنی زوجیت میں قبول کرے۔ اگر کوئی شخص قبول کر لیتا تو اسے لڑکی دے دیتا ورنہ اسے ہلاک کر دیتا۔ ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے تھے۔ اور قاعدہ تھا کہ جو شوہر اس عورت کے پاس جاتا وہ دروازے پر اپنا نشان چھوڑ جاتا تاکہ دوسرے شوہر یہ نشان دیکھ کر پلٹ جائیں۔
>
> یہ جماعت مسلمانوں کی عقوبت کو ثوابِ عظیم کا ذریعہ مانتی تھی۔ لیکن سلطان محمد غوری کے آخری ایام میں ایک مسلمان ان کے دست ظلم میں گرفتار ہوا اور اس نے اہل اسلام کے طور طریقے اس طرح بیان کیے کہ اس قبیلہ کے سردار کو پسند آئے اور اس نے اس مسلمان سے پوچھا کہ اگر میں سلطان محمد غوری کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو جاؤں تو وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ اس مسلمان نے اس کو یقین دلایا کہ وہ مراعات شاہانہ سے نوازے گا اور کوہستان کی حکومت تم کو سونپ دے گا۔ چناں چہ سردار نے اس قیدی کے ہاتھ درخواست روانہ کی۔ جواب میں سلطان نے خلعت فاخرہ اور کمر بند مرصع ارسال کیا۔ اس پر وہ سردار سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اطاعت اختیار کر کے اس کوہستان کی حکومت کا فرمان حاصل کیا۔ خود بھی مسلمان ہوا اور دوسرے کھوکھروں کو بھی مسلمان کیا۔''(۱۷)

قطب الدین ایبک (۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء)

سلطان شہاب الدین کا جانشین ان کا غلام قطب الدین ایبک ہوا۔ قطب الدین ایبک کے عہد میں پرتھوی راج کے بھائی نے اجمیر پر حملہ کر کے وہاں کے حاکم کو جو پرتھوی راج چوہان کا بیٹا تھا، بے دخل کر دیا۔ قطب الدین ایبک نے اجمیر کو پھر فتح کیا اور وہاں میراں سید حسین جنگ سوار مشہدی کو گورنر مقرر کیا۔

۱۱۹۴ء میں علی گڑھ فتح ہوا، اور یہاں کے متعدد لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ ۱۱۹۵ء میں گجرات فتح کیا اور ۱۲۰۲ء میں کلنجر فتح کیا، جہاں بالترتیب بیس ہزار اور پچاس ہزار قیدی دستیاب ہوئے۔ (۷۲) ڈاکٹر کے۔ ایس لال کا خیال ہے کہ یہ سب لوگ مسلمان بنائے گئے ہوں گے۔ (۷۳) لیکن بیان محض تعصب و تنگ نظری پر مبنی ہے۔ جنگی قیدیوں کا جبر یہ مذہب تبدیل کیا گیا ہو اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

اختیار الدین بختیار خلجی

شہاب الدین غوری کے ایک دوسرے غلام اختیار الدین بختیار خلجی کو بنگال کی فتح پر مامور کیا گیا تھا۔ اس نے ۱۱۹۷ء میں وکرم شلا اور نالندہ کا علاقہ فتح کیا۔ اس علاقہ میں اس وقت تک بدھ مذہب کی آبادی تھی۔ یہ لوگ اس وقت بڑی کس مپرسی میں تھے۔ ہندو حکمرانوں نے بدھوں کے تمام علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ بہار میں بدھوں کا صرف ایک ہی مضبوط قلعہ ادنٹ ایسا تھا جو پوری طرح بدھوں کے قبضہ میں باقی تھا۔ اس پر بھی بنگال کے حکمراں کئی دفعہ حملہ کر چکے تھے۔ لیکن وہ فتح نہیں ہوا تھا۔ (۷۴)

بہار کے گپتا اور گوڑ حکمرانوں نے بدھوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا، جس درخت کے نیچے مہاتما بدھ کو عرفان حاصل ہوا، اسے گوڑ حکمرانوں نے کاٹ دیا۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کی جڑیں کھود ڈالیں اور اسے جلا دیا۔ مہاتما بدھ کی مورتیاں توڑ ڈالیں اور ان کی جگہ شیو کی مورتیاں نصب کیں (۷۵) وغیرہ۔

ایسے حالات میں آخری مضبوط قلعہ اختیار الدین بختیار خلجی نے فتح کرلیا۔ یہ بعید از قیاس نہیں ہوگا کہ اس کے بعد بدھ مذہب کے ماننے والوں نے جو کئی صدی سے دفاعی مقام پر تھے، اسلام قبول کرلیا۔ (۷۶)

اختیار الدین بختیار خلجی کی ان فتوحات کی تفصیلات کہیں نہیں ملتیں، اس لیے اس کے رویے کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ قاضی منہاج سراج نے لکھ دیا تھا کہ اس نے سر منڈے ہوئے بے قصور بدھوں کا قتل عام کیا۔ (۷۷) وہاں کا عظیم کتب خانہ نذر آتش کردیا۔ (۷۸) لیکن اس الزام کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ متعدد مؤرخین نے ان کا جواب دیا ہے (جیسے ملاحظہ ہو ڈاکٹر مہر علی History of Muslims in Bengal ص ۵۰، ۵۱)۔

اختیار الدین بختیار خلجی کے ہاتھ پر واضح طور پر اسلام لانے کا تذکرہ میخ (Mech) قبیلہ کا ملتا ہے۔ یہ قبیلہ تبت کی ترائیوں میں آباد ہے۔ قیاس ہے کہ یہ لوگ اس وقت بدھ مذہب کے پیرو ہوں گے۔ میخ (Mech) قبیلہ کا سرداران کے پاس آیا اور مسلمان ہوگیا۔ اس نے اپنا نام علی رکھا اور پھر وہ اختیار الدین بختیار خلجی کے ساتھ بہ طور رہبر کے رہا۔ (۸۰)

عہد سلاطین میں ایک عظیم حکمراں علاء الدین خلجی ہوا ہے۔ علاء الدین خلجی کو اپنے چچا جلال الدین کے بعد حکومت ملی تھی۔ جلال الدین خلجی نہایت نرم دل اور نرم خو بادشاہ تھا۔ وہ مجرموں کو پکڑواتا اور ان سے توبہ کرواکے چھوڑ دیا کرتا تھا۔ اس کی اس نرم خوئی کا فائدہ بہت سے ہندوؤں نے بھی اٹھایا۔ عجب نہیں کہ اس طرح بھی بعض لوگ مسلمان ہوئے ہوں۔ چناں چہ خسرو خاں اور اس کا خاندان اسی کے عہد میں مسلمان ہوئے تھے۔ یہی خسرو خاں بعد میں قطب الدین مبارک شاہ کو قتل کر کے ناصر الدین خسرو خاں کے نام سے حکمراں ہوا۔

قطب الدین مبارک شاہ (۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء)

قطب الدین مبارک شاہ کے بارے میں کے ایس لال نے لکھا ہے کہ اگر کوئی ہندو اسلام قبول کرلیتا تو یہ بادشاہ اس کو ہدیہ وتحائف دیا کرتا تھا۔ ابن بطوطہ نے خلجی حکمرانوں کے بارے میں مجموعی طور پر لکھا ہے کہ جب کوئی ہندو اسلام قبول کرتا تو بادشاہ اس کو تحفہ میں ایک خلعت اور ایک سونے کا زیور دیا کرتا تھا۔ (۸۱)

تاہم خود قطب الدین کے بارے میں مؤرخین کی رائے اچھی نہیں ہے۔ اس کو عام طور پر تارک صوم وصلوٰۃ حکمراں کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے دربار میں برائیوں کو بڑا عروج ملا۔ شیخ نظام الدین اولیاء سے اس کو خصوصی عداوت تھی جس کا اظہار متعدد مواقع پر ہوتا رہا اس کی

خزائن الفتوح میں لکھا ہے کہ سلطان علاء الدین نے جنوب میں ایک مہم مخلصانہ ارادے سے بھیجنے کا فیصلہ کیا۔اس کا مقصد وہاں شریعت کی روشنی پھیلانا تھا۔(۸۲)

فیروز شاہ تغلق (۷۹۰ھ/ ۱۳۸۸)

فیروز شاہ تغلق کے پیش رو سلطان محمد تغلق کی شخصیت بھی اشاعت اسلام کے حوالہ سے بڑی اہم ہے۔ان کی کوششوں سے بہت لوگوں نے اسلام قبول کیا لیکن فیروز شاہ تغلق کی مذہبی کاوشوں کا خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔اس نے احکام شرعیہ کی اشاعت کے لیے جدو جہد کی۔ فقہ از سرنو مرتب کروائی۔مختلف علاقوں میں قاضی اور محتسب مقرر کیے۔

اشاعت اسلام کے لیے اس نے ہندوؤں کو خاص طور پر ترغیب دی۔فتوحات فیروز شاہی میں لکھا ہے:

> به ترغیب اهل ذمه به سوئے دین هدیٰ توفیق یافتم و به اعلام گفتیم بهر که از کفار کلمه توحید گوید و دین اسلام پذیرد چنانکه در دین محمد مصطفی صلی تعالیٰ علیه و آلهٖ و سلم آمده است، جزیه از و دور کنند چیست آں بگوش رسید فوج فوج و جماعت جماعت هنود آمدند و شرف اسلام مشرف شدند.(۸۳)

> ''میں نے اپنی ذمی رعایا کو رسولِ خدا کا مذہب قبول کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔اور میں نے اعلان کیا کہ جو شخص کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جائے گا وہ جزیہ کی ادائیگی سے بری الذمہ سمجھا جائے گا۔ جب یہ خبر عوام کے کانوں تک پہنچی تو بہت سے ہندو حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔روزانہ ہر طرف سے لوگ آتے تھے اور اسلام قبول کر کے جزیہ سے معافی پاتے تھے اور انعام سے مالا مال ہو کر واپس جاتے تھے۔''

فیروز شاہ تغلق نے اپنی جنوب کی مہم میں سکھر (Sikhar) کے راج کمار کو قید کر لیا۔وہ راج کمار بادشاہ کے اچھے اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا اور اس کا نام شکر خاں رکھا گیا۔(۸۴)

فیروز شاہ تغلق ایک مرتبہ نواح دہلی میں شکار کھیل رہا تھا۔ہندو سردار رائے چھجمل مل وغیرہ ہمرکاب تھے۔فیروز شاہ پر ایک شیر حملہ آور ہوا،لیکن اس کو رائے چھجمل نے مار دیا،اس لیے رائے چھجل مل کو ناہر بہادر کا خطاب ملا۔بعد میں ناہر بہادر مسلمان ہو گیا۔اس کے اخلاف آج بھی ملک اور خان زادہ کے نام سے بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ناہر بہادر ایک بڑے علاقہ کا حکمراں بنا اور اس کے اخلاف نے مدتوں میوات کے علاقہ پر حکمرانی کی۔

ناہر بہادر کے ایک بیٹے ملک علاءالدین کو بڑا اقبال حاصل ہوا اور ان کے اخلاف میں راجا زبیر خاں، راجا حسن خاں اور عالمگیری عہد کے امیر نواب خلیل اللہ خاں بہت معروف ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو یادوبنسی کہتے ہیں اور نومسلم راجپوتوں کی طرح بعض ہندوانہ رسومات بھی ان میں جاری ہیں۔ خاص طور پر شادی بیاہ کے موقع پر ان کو انجام دیتے ہیں۔(۸۵)

بشیر سلطانی بھی ایک نومسلم تھا جس کو فیروز شاہ تغلق کے عہد میں عماد الملک کا عہدہ حاصل ہوا۔

چوہان راج پوتوں کی ایک شاخ جوالور کے قریب قصبہ منڈ اور اس کے نواح میں آباد تھی وہ بھی فیروز شاہ کے ذریعہ مسلمان ہوئی۔ مرآۃ الانساب میں مولوی ضیاء الدین علوی نے لکھا ہے کہ راؤ حاجی چاند بکرمی سمت ۱۴۹۹ میں فیروز شاہ کے عہد میں مسلمان ہوئے اور شاہی خاندان سے ان کے مصاہرتی تعلقات قائم ہوئے۔(۸۷)

ظہیر الدین بابر (۹۳۷ھ/۱۵۳۰)

مغل عہد کی جلالت شان اور پائے داری کے سبب عہد سلطنت کی عظمت پھیکی نظر آتی ہے۔ مغلوں کا عہد بابر سے شروع ہوتا ہے۔ بابر نے ۱۵۲۶ء میں سلطان سکندر لودھی کو شکست دے کر دہلی سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا۔ سکندر لودھی کے بیٹے ابوبکر خاں نے راجا حسن خاں اور رانا سانگا کی مدد سے بابر کے ساتھ ایک اور فیصلہ کن جنگ کی، لیکن بابر اس میں بھی فتح مند رہا اور ہندستان میں مغلیہ حکومت کی بنیاد پڑ گئی، اگرچہ بابر مغل نہیں تھا بلکہ ترک تھا، لیکن اس وقت وسط ایشیا میں ترک زبردست تھے اور عظمت کا علم مغلوں کے ہاتھ میں تھا، اس لیے بابر اور اس کے اخلاف نے اپنے لیے مغل کہلانا زیادہ پسند کیا، حالاں کہ خود بابر اپنے کو ترک ہی کہتا تھا۔ اس کا مشہور شعر ہے:

با ترک ستیزہ مکن اے میر بیانہ
چالاکی و عیاری ترکان عیان است

''اے بیانہ کے حاکم ترک کے ساتھ جنگ مت کر۔ ترکوں کی چالاکی اور عیاری تو عیاں ہے۔''

بابر کے ساتھ کسی جنگ میں اودھ کا ایک بڑا زمین دار قید ہو گیا۔ اس نے اسلام قبول

کرلیا تو بابر نے اعزاز میں اس کو رہا کر دیا۔ آرنلڈ نے لکھا ہے کہ یہ خاندان اس وقت اودھ کا سب سے زیادہ بااثر راجپوت مسلمان خاندان ہے۔(۸۸)

جہانگیر (۱۰۳۷ھ/ ۱۶۲۷)

جہانگیر کے بارے میں بھی بعض تاریخوں میں ملتا ہے کہ ان میں اشاعتِ اسلام کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ اوراس نے متعدد مرتبہ اشاعت اسلام کی حوصلہ افزائی کی۔

جہانگیر نے تزک میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب کشمیر گیا تو ایک جگہ اس نے دیکھا کہ ہندو مسلمان آپس میں شادیاں کرتے ہیں۔ جہانگیر نے فرمان جاری کیا کہ ہندو لڑکیاں مسلمانوں سے شادی کرسکتی ہیں لیکن مسلمان لڑکیاں ہندوؤں سے شادی کرنا بند کردیں۔(۸۹)

یہ فرمان روح اسلام سے بہت زیادہ قریب نہیں تھا۔ لیکن اشاعتِ اسلام کے حوالہ سے اس کے اثرات بیان کیے جاتے ہیں۔ جہانگیر کے عہد کا ایک واقعہ یہ ہے کہ اس نے تین مسلمانوں شریف، کوکب اور عبداللطیف کو سزا دی جو ایک سنیاسی کی عقیدت میں حد سے بڑھ گئے تھے۔

شاہ جہاں (۱۰۷۶ھ/ ۱۶۶۶ء)

عہد شاہ جہانی میں اشاعت اسلام کے حوالہ سے کئی واقعات اہم ہیں:

ایک واقعہ لال خانیوں کے مسلمان ہونے کا ہے۔ اگرچہ لال خانیوں کی تاریخوں میں کئی واقعات ہیں اور لال خانیوں کے اسلام کے بارے میں کئی رائیں ہیں، تاہم یہ رائے زیادہ معتبر معلوم ہوتی ہے کہ لال خاں کا بیٹا راجا سالباھن مسلمان ہوا تھا۔ ۱۷رشوال ۱۰۴۹ھ کو راجا سالباھن کے نام شاہ جہاں نے سالباھن پور کا علاقہ بہ طور جاگیر دیا تھا۔ مشہور یہ ہے کہ سالباھن اپنی اولاد کے ساتھ شاہ جہاں کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔(۹۰)

شاہ جہاں کے عہد میں پنجاب کے شورش پسند جھار سنگھ (Jujhar singh) کو شکست ہوئی تو اس کا بیٹا درگا سنگھ اور اس کا پوتا مسلمان ہوگئے۔ دونوں کے نام بالترتیب امام قلی اور علی قلی رکھے گئے۔ نیز ان کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔(۹۱)

اسی طرح بیلگانہ کی فتح کے بعد وہاں کے حاکم ناہر جی کا ایک بیٹا مسلمان ہوگیا۔

ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ شاہ جہاں نے ہندو مسلمانوں کی آپس کی شادی کی ممانعت

کردی تھی۔ اس فیصلہ کے بعد چار ہزار تا پانچ ہزار ہندو جن کی بیویاں مسلمان تھیں مسلمان ہو گئے۔(۹۲) یہ واقعہ بھدنور (Bhadnor) کا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بعض مقامات پر اس طرح کے واقعات پیش آئے۔

اورنگ زیب عالم گیر (۱۱۱۸ھ/ ۱۷۰۷ء)

اورنگ زیب عالمگیر مختلف وجوہ کی بنا پر ایک متعصب حکمراں کی حیثیت سے مشہور ہے اور شہرت اس بات کی ہے کہ اورنگ زیب نے لوگوں کو زبردستی، لالچ دے کر یا مجبور کر کے مسلمان کیا تھا۔ آرنلڈ نے لکھا ہے کہ مجھے اس کا ثبوت تاریخ میں نہیں ملا۔ آرنلڈ کا پورا اقتباس حسب ذیل ہے:

> ''کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لیے سرکاری دباؤ سب سے زیادہ سختی کے ساتھ اورنگ زیب کے عہد میں ڈالا گیا تھا۔ چناں چہ پنجاب کے مشرقی اضلاع میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ کسی گاؤں میں اگر کچھ لوگ مسلمان ہیں تو ان کے مورثِ اعلیٰ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ اپنی زمین بچانے کے لیے اورنگ زیب کے عہد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ دہلی کے نزدیک گڑگاؤں میں بنیوں کا ایک خاندان ہے جو اب تک اپنے نام کے ساتھ شیخ کا لقب لگاتے ہیں، کیوں کہ اس گھرانے کے ایک آدمی نے جس کی اب کوئی اولاد باقی نہیں ہے، اپنی موروثی جائداد کو ضبطی سے بچانے کے لیے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ضلع کان پور کے بہت سے راج پوت زمین دار بھی اسی وجہ سے مسلمان ہونے پر مجبور ہوئے تھے۔ اسی طرح اور خاندانوں کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ اس کے مورث کو قید کر کے یا یرغمال کے طور پر دہلی لے گئے تھے اور وہاں اسے مختون کر کے زبردستی مسلمان کر لیا گیا تھا۔ لیکن اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اس قسم کے واقعات کی شہادت میں صرف خاندانی یا مقامی روایات بیان کی جاتی ہیں۔ لیکن جہاں تک میں تلاش کر سکا ہوں مجھے اورنگ زیب کے عہد کی تاریخوں میں ایسی باتوں کا ذکر نہیں ملا۔'' (۹۳)

آرنلڈ کے اس اہم اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغلوں خاص طور پر اورنگ زیب کے ذریعہ لوگوں کو زبردستی یا دباؤ ڈال کر مسلمان کرنے کی بات بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہے۔ یہ محض مفروضہ ہے اس کی کوئی تاریخی صداقت نہیں۔ البتہ حکمرانوں کی یہ خواہش ہو سکتی ہے کہ لوگ

مسلمان ہو جائیں اور یہ خواہش ان کی بھی رہی ہوگی۔ تاہم یہ بر بنائے خیر خواہی ہے نہ کہ کسی ظلم و تعدی کے طور پر۔ ان کی نظر میں اسلام واحد مذہب تھا جس کے اتباع میں دنیا و آخرت کی فلاح مضمر تھی۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ بندگانِ خدا اس مذہب کا اتباع کریں تاکہ ان کی دنیا و آخرت سنور جائے۔ اور یہ بات تو بالکل ہی بے اصل ہے کہ مسلمانوں نے زور زبردستی سے لوگوں کو مسلمان کیا، چوں کہ اسلام سب سے زیادہ اس وقت پھیلا جب اس کے پاس سیاسی قوت نہیں تھی۔ اس کی ایک مثال تو تاتاریوں کا قبولِ اسلام ہے۔ دوسری مثال شرق اقصیٰ کے ممالک کا مسلمان ہونا ہے جہاں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے جیسے انڈونیشیا، ملیشیا، برونئی وغیرہ۔ یہ ممالک کسی بھی مسلم حملہ یا اقتدار سے ناواقف ہیں اور خود ہندستان میں اسلام کی سب سے زیادہ اشاعت مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد ہوئی۔

اورنگ زیب کے عہد میں تبدیلی مذہب کے کسی بڑے واقعہ کا تذکرہ نہیں ملتا۔ انفرادی طور پر کچھ لوگوں کے مسلمان ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً ۱۶۶۷ء میں چار قانونگو اپنی ملازمت سے برطرف کر دیے گئے، بعد میں انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کو بحال کر دیا گیا۔ (۹۴) بعض لوگ خود مسلمان ہوئے تو ان کو نوازہ گیا۔ جیسے نام دیو مسلمان ہوا تو اس کو چار سو سواروں کا منصب دار بنا دیا۔ امروہہ کے راجا کشن کا بیٹا شیو سنگھ مسلمان ہوا۔ اس کو ایک ہزاری منصب اور دلاور کا خطاب ملا۔ اسی طرح ایک شخص مسلمان ہوا، اس کو جاگیر مل گئی۔ منوہر پور کا زمین دار دیو چند برخاست کر دیا گیا تھا۔ وہ مسلمان ہو گیا تو اس کو پھر بحال کر دیا گیا۔ راجا شیو نارائن کچھ (بہار) کے خلاف اورنگ زیب نے تادیبی کارروائی کروائی۔ اسی دوران اس کا بیٹا بشن نارائن مسلمان ہو گیا۔ غالباً اپنے والد کو شاہی عتاب سے بچانے کے لیے اس نے اسلام قبول کیا تھا۔ بالامئو کے راجا نے اسلام قبول کیا تو اس کا منصب بڑھا دیا گیا۔ اس عہد میں کچھ لوگوں نے اور بھی اسلام قبول کیا۔ جیسے پٹودی کے زمین دار شنکر جی جاٹ لیڈر راجارام کا بیٹا فتح سنگھ، اس طرح گوکل جاٹ کا بیٹا یہ سب مسلمان ہوئے۔ تین اور آدمی مسلمان ہوئے۔ ان کو بعد میں درباری بنا لیا گیا تھا۔ یہ تینوں راجا کے خطاب یافتہ تھے۔ (۹۵)

کے۔ ایس۔ لال نے لکھا ہے کہ ستمبر ۱۶۸۱ء میں ایک فرمان کے ذریعہ اعلان کیا گیا کہ جو قیدی مسلمان ہو جائے گا اسے رہا کر دیا جائے گا۔ (۹۶) کے ایس لال کو توقع ہے کہ اس اعلان کے

بعد بہت سے لوگ مسلمان ہوئے ہوں گے۔ کے۔ ایس لال نے اس اعلان کا شرما کے حوالہ سے ذکر کیا ہے لیکن اس میں اتنا عموم ہوگا یہ مشتبہ ہے۔ اورنگ زیب سے متعلق یہ بات بھی مشہور کی گئی ہے کہ اس نے حکومت کی ملازمتوں میں امتیاز برتا تھا۔ لیکن یہ الزام بے بنیاد ہے۔ چوں کہ اورنگ زیب کے بارے میں معلوم ہے کہ اس نے ملازمت کے لیے مذہب کو کوئی معیار نہیں بنایا بلکہ اصل معیار صلاحیت تھی۔ چناں چہ اورنگ زیب کے عہد میں کم و بیش بیس فیصد ہندو ملازم تھے اور فوج کا اعلیٰ عہدہ متعدد مرتبہ ہندو سپہ سالاروں کے پاس رہا، جن میں راجا جے سنگھ اور مرزا راجا جے سنگھ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

اس کے علاوہ اورنگ زیب کے ایک فرمان کا تذکرہ کرتے ہوئے آرنلڈ نے لکھا ہے:

> ''اورنگ زیب کے فرامین و مراسلات کے ایک قلمی مجموعہ میں جو ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے، مذہبی آزادی کا وہ جامع اور مانع اصول مندرج ہے جو ہر ایک بادشاہ کو غیر مذہب کی رعایا کے ساتھ برتنا ضروری ہے۔ جس واقعہ کے متعلق یہ اصول بیان ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ عالمگیر کو کسی شخص نے عرضی دی تھی کہ دو پارسی ملازموں کو جو تنخواہ تقسیم کرنے پر مقرر تھے، اس بنا پر برخاست کر دیا جائے کہ وہ آتش پرست ہیں اور ان کی جگہ کسی تجربہ کار معتبر مسلمان کو متعین کیا جائے۔ کیوں کہ قرآن شریف میں آیا ہے ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ اَوۡلِیَآءَ'' اورنگ زیب نے عرضی پر یہ حکم لکھا کہ ''مذہب کو دنیا کے کاروبار میں دخل نہیں ہے اور نہ ان معاملات میں تعصب کو جگہ مل سکتی ہے۔ اپنے قول کی تائید میں یہ آیت نقل کی لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنُ۔ بادشاہ نے لکھا کہ جو آیت عرضی نویس نے نقل کی ہے اگر یہی سلطنت کا دستور العمل ہوتا تو ہم کو چاہیے تھا کہ اس ملک کے سب راجاؤں اور ان کی رعایا کو غارت کر دیتے، لیکن یہ کس طرح ہوسکتا ہے۔ شاہی نوکریاں لوگوں کو ان کی لیاقت اور قابلیت کے موافق ملیں گی، اس کے سوا اور کسی لحاظ سے نہیں مل سکتیں۔'' (۹۷)

اورنگ زیب نے کئی اور مواقع پر بھی اس کی وضاحت کی ہے کہ سرکاری ملازمتیں مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ قابلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر ملتی ہیں۔

اورنگ زیب کے بارے میں ایک عام تأثر پایا جاتا ہے کہ اس نے جبریہ اسلام کی اشاعت کی۔ اس تأثر میں اصل کردار سکھوں اور ہندوؤں میں رائج بعض من گھڑت کہانیوں کا ہے۔ بشمبر ناتھ پانڈے نے اس طرح کی بعض کہانیوں اور نظموں کا جائزہ لیا تو وہ تاریخی صداقت

سے عاری نکلیں۔ وہ لوگوں میں محض جوش پیدا کرنے اور لوگوں کو جذباتی طور پر برانگیختہ کرنے کے لیے گھڑی گئیں۔ اس کا اعتراف آرنلڈ نے بھی کیا، لکھتے ہیں:

''گمان غالب یہ ہے کہ اورنگ زیب کے مشہور عام مذہبی جوش اور حرارت ایمانی کے سبب شمالی ہند کے بہت سے خاندانوں نے (جن کے تبدیلی مذہب کی تاریخ فراموش ہو چکی تھی) اپنے قبول اسلام کو اس سلطان کی طرف منسوب کر دیا۔ اسی طرح جنوب میں بھی حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی طرح اورنگ زیب کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے وہاں کے بعض خاندانوں اور اپنی رعایا کے بعض طبقوں کو جبراً مسلمان کیا تھا۔ حالاں کہ ان کا قبولِ اسلام بہت پہلے کا واقعہ ہے، جس کی کوئی تاریخی روداد ہم تک نہیں پہنچی۔(۹۸)

کے۔ ایس لال نے اگر چہ بعض تاریخی واقعات عہد عالمگیری کے نقل کئے ہیں جن میں قید سے رہائی یا عہدہ بڑھانے وغیرہ کے لالچ کو قبول اسلام کی وجہ لکھا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ محض واقعہ کی تشریح کا مسئلہ ہے تاریخ کا نہیں۔ جہاں تک مجموعی تاثر کی بات ہے تو انھوں نے محض سکھ اور ہندو روایات کا تذکرہ کیا ہے کہ ان میں مشہور ہے کہ اورنگ زیب نے جبریہ مذہب تبدیل کرایا تھا۔ ان کے الفاظ ہیں:

Popular Hindu and Sikh tradition ascribes mass conversions by force to Aurangzeb's reign(۹۹)

''عوامی ہندو اور سکھ روایات بتاتی ہیں کہ اورنگ زیب نے بڑی تعداد میں جبراً مذہب تبدیل کروایا۔''

اورنگ زیب کے عہد میں جبریہ تبدیلی مذہب کو آرنلڈ نے بھی تاریخی طور پر رد کیا ہے اور دیگر مورخین میں بشمبر ناتھ پانڈے، اوم پرکاش وغیرہ نے بھی رد کیا ہے۔ اوم پرکاش نے لکھا ہے:

''ایسے ثبوت یا اعداد وشمار دستیاب نہیں ہیں جن سے اس مشہور لیکن بے بنیاد بات کو حمایت حاصل ہو سکے کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں تلوار کے بل پر بڑے پیمانے پر ہندوؤں کو مسلمان بنایا گیا۔(۱۰۰)

ٹیپو سلطان (۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء)

ٹیپو سلطان کی کاوشوں کو الگ سے تحریر کرنے اور جملہ معلومات کا معروضی مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

ٹیپو پر الزام ہے کہ اس نے پانچ سو مندروں کو منہدم کیا (۱۰۱) اس پر الزام ہے کہ اس نے ۵۰ ہزار ہندوؤں کو بزور شمشیر مسلمان کیا (۱۰۲) اس نے ساڑھے تین سو برہمنوں کو جبریہ مسلمان کیا (۱۰۳) وغیرہ۔ یہ الزام اگرچہ معاصر شہادتوں سے مبرھن ہیں لیکن وہ شہادتیں درست نہیں ہیں۔ یہ ان انگریزوں کے بیانات پر مبنی ہیں جو ٹیپو سے برسر جنگ تھے اور جن کا مقصد ٹیپو کی تصویر مسخ کرنا تھا۔

۱۸۰۴ء میں لندن سے ایک کتاب "Tippo Sultan" شائع ہوئی اور سرورق پر یہ عبارت درج کی گئی کہ اس کتاب کی سلطان ٹیپو کے بیٹے نے تصدیق کی ہے۔ اس کتاب میں سلطان پر تعصب کے بے بنیاد الزامات لگائے گئے اور ظاہر ہے کہ سلطان کی شہادت کے صرف ۵ سال بعد یہ کتاب شائع ہوئی تو اس کو بنیادی مرجع کی حیثیت حاصل ہوگئی۔

اس میں مندرج معلومات کو مزید مبالغہ آمیز بلکہ دروغ گوئی کے ساتھ بعض دیگر متعصب ہندو اصحابِ قلم نے اختیار کرلیا۔ بشمبر ناتھ پانڈے نے اس طرح کے بعض واقعات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ مصنف کے ذہن کی اپج تھے، تاریخی صداقت نہیں۔ مثلاً بنگال کی نصابی کتاب میں ٹیپو سلطان کے بارے میں لکھا تھا کہ اس نے تین سو برہمنوں کو جبریہ مسلمان کیا۔ بشمبر ناتھ پانڈے نے اس کا حوالہ دریافت کیا تو کئی سال کی خط و کتابت کے بعد آخر مصنف کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ دراصل کسی گزیٹر میں اس نے یہ واقعہ پڑھا تھا لیکن حوالہ یاد نہیں۔ (۱۰۴)

آرنلڈ نے بھی ٹیپو سلطان کے خلاف اپنے قومی تعصب کا اظہار کیا ہے اور اس کے اعتراف کے باوجود کہ ٹیپو سلطان پر بہت سے الزامات بے بنیاد ہیں اس کو متعصب اور ظالم حکمراں کے بہ طور پیش کیا ہے۔

آرنلڈ نے سلطان کی تبلیغی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سلطان نے نائرقوم کے نام ایک فرمان جاری کیا۔

> ''فتح کے زمانے سے لے کر آج تک یعنی گزشتہ چوبیس سال کے عرصہ میں تم نے ایک سرکش اور شورش پسند قوم ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ موسم برسات کی جنگوں میں تم نے ہمارے شہریوں کو شہادت کا جام پلایا ہے۔ خیر جو کچھ ہوا سو ہو چکا لیکن آئندہ تمھیں ایک نیا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ تم کو چاہیے کہ امن کے ساتھ زندگی گزارو اور اچھے

شہریوں کی طرح ٹیکس ادا کرو اور چوں کہ تمھارے یہاں یہ دستور ہے کہ ایک عورت دس مردوں کے ساتھ رہتی ہے اور تم نے اپنی ماؤں اور بہنوں کو ایسی شرم ناک باتوں کی بغیر کسی روک ٹوک کے کھلی آزادی دے رکھی ہے، اس لیے تم سب ولد الزنا ہو۔ اپنے شرم ناک جنسی تعلقات میں تم جانوروں سے بھی بدتر ہو۔ لہٰذا میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تم معصیت کے ان اعمال کو چھوڑ دو اور دوسرے بنی نوع انسان کے دستور اختیار کرو۔ اگر تم ان احکام کی خلاف ورزی کرو گے تو میں تم کو مشرف بہ اسلام کروں گا۔(۱۰۵)

آرنلڈ نے سلطان کے ایک فرمان کے بعد لکھا ہے کہ سلطان نے بیس ہزار فوج کی مدد سے نائروں کو جبراً مسلمان کیا۔

گوا دمن اور دادر انگر حویلی جیسے علاقوں میں پرتگالی شورش پسندوں نے اپنا اقتدار بڑھا لیا تھا۔ بہت سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو عیسائی بنا لیا تھا۔ بعض مسجدیں شہید کر دی گئی تھیں۔ لوگوں نے ٹیپو سلطان سے شکایت کی۔ ٹیپو نے گوا کو فتح کر لیا۔ اس موقع پر ۱۴ ہزار ہندستانی نژاد عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔(۱۰۶)

حواشی:

۱- حامد کوفی: چچ نامہ، ص ۷۰، ۷۱
۲- چچ نامہ، ص ۱۱۶
۳- چچ نامہ، ص ۷۳
۴- چچ نامہ، ص ۲۱، اور بعد کے صفحات
۵- چچ نامہ، ص ۲۱
۶- تاریخ سندھ، ص ۴۹، فتوح البلدان، ص ۴۳۷
۷- چچ نامہ، ص ۱۱۸، ۱۱۹
۸- تاریخ سندھ، ص ۵۲، چچ نامہ، ص ۱۲۰
۹- تاریخ سندھ، ص ۵۳
۱۰- تاریخ سندھ، ص ۵۳
۱۱- تاریخ سندھ، ص ۵۳
۱۲- تاریخ سندھ، ص ۵۶

۱۳- چچ نامہ،ص ۵۸،تاریخ سندھ،ص ۵۹
۱۴- چچ نامہ،ص ۱۵۳،تاریخ سندھ،ص ۶۰
۱۵- تاریخ سندھ،ص ۴۷
۱۶- تاریخ سندھ،ص ۶۰
۱۷- تاریخ سندھ،ص ۷۷
۱۸- چچ نامہ،ص ۱۱۸
۱۹- چچ نامہ،ص ۲۲۴،فتوح البلدان،ص ۴۳۹،تاریخ سندھ،ص ۱۰۲
۲۰- چچ نامہ،ص ۹۰
۲۱- چچ نامہ،ص ۲۰۸،تاریخ سندھ،ص ۹۳
۲۲- تاریخ سندھ،ص ۹۴
۲۳- تاریخ سندھ،ص ۱۰۴،فتوح البلدان،ص ۴۳۹
۲۴- تاریخ سندھ،ص ۹۰
۲۵- تاریخ سندھ،ص ۹۱
۲۶- چچ نامہ،ص ۲۱۴
۲۷- چچ نامہ،ص تاریخ سندھ،ص ۱۱۰،۱۱۱
۲۸- تاریخ سندھ،ص ۸۳
۲۹- تاریخ سندھ،ص ۸۴
۳۰- چچ نامہ،ص ۱۰۹
۳۱- تاریخ سندھ،ص ۸۴
۳۲- تاریخ سندھ،ص ۹۹
۳۳- تاریخ سندھ،بحوالہ فتوح البلدان،ص ۴۴۱
۳۴- تاریخ سندھ،ص ۱۲۵،بحوالہ بلاذری ص ۴۴۱
۳۵- تاریخ سندھ،ص ۱۲۶
۳۶- تاریخ سندھ،ص ۱۲۶
۳۷- تاریخ سندھ،ص ۱۶۱
۳۸- تاریخ سندھ،ص ۸۷
۳۹- چچ نامہ،ص ۸۶

۴۰- تاریخ سندھ، ص ۸۷ بحوالہ کننگھم

۴۱- نزہۃ الخواطر، ص ۱/ ۵۹، ۸۱، ۸۵، ۸۶

۴۲- تاریخ سندھ، ص ۳۷۲

۴۳- بزرگ بن شہریار: عجائب الہند، ص ۳، تاریخ سندھ، ص ۳۷۰

۴۴- الفہرست ص ۵۳۰ (اردو ترجمہ از محمد اسحاق بھٹی)

۴۵- الفہرست، ص ۳۰، ۳۱

۴۶- دعوتِ اسلام، ص ۲۵۹

۴۷- برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۴۶

۴۸- برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۴۶

۴۹- برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۸۴

۵۰- برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۸۴

۵۱- برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۴۵

۵۲- برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۴۵

۵۳- برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۴۵

۵۴- برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۴۶ (بحوالہ شونیہ پران)

۵۵- برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۶۲

۵۶- آبِ کوثر ص ۵۷

۵۷- برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۶۲

۵۸- برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۶۳

۵۹- برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۶۳

۶۰- برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ۶۳

۶۱- تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۹۱

۶۲- محمد عباس خاں شیروانی: مرأۃ (مسعودی) سعودی، طبع علی گڑھ

۶۳- Religion & Politics in India p.77

۶۴- Religion & Politics in India p.78

۶۵- Religion & Politics in India, p.78

۶۶- Religion & politics in India p.77

بحوالہ Religion & Politics in India p.77

۶۷- الکامل فی التاریخ ص۹/۳۳،۱۲/۱۰۵(و کان فیھا قوم من تجار المسلمین)

۶۸- دعوتِ اسلام، ص۲۵۵

۶۹- دعوتِ اسلام، ص۲۵۵

۷۰- Temple descration in Pre. Medivel India (Frontline Dec.22/2000 p.63

۷۱- تاریخ فرشتہ، ص۱/۱۰۳،۱۰۴

۷۲- Indian Muslim, who are they p.13

۷۳- Indian Muslim, who are they p.13

۷۴- Mohar Ali: History of Muslims in Bengal, vol.1. part.1. p.50

۷۵- Mohar Ali: History of Muslims in Bengal, vol.1. part.1. p.50

۷۶- K.S. Lal: Indian Muslims who are they p.73

۷۷- History of Muslims in Bengal vol.1, Part.1, p.50 بحوالہ طبقات ناصری انگریزی ترجمہ از ایلیٹ، ص۳۰۵

۷۸- Mohar Ali: History of muslims in bengal vol.1, part.1. p.50 بحوالہ طبقات ناصری

۷۹- Mohar Ali: History of muslims in bengal vol.1, Part.1. p.56

۸۰- The Khiljies p.339 کا اردو ترجمہ از ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی بعنوان ''خلجی خاندان''

۸۱- ابن بطوطہ، ص۳/۱۹۷، بحوالہ خلجی خاندان، از K.S. Lal اردو ترجمہ از ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی، ص۳۲۸

۸۲- سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص۲۸۳-۲۹۹

۸۳- فتوحات فیروز شاہی، ص۱۶-۱۷

۸۴- تاریخ فرشتہ، ص۱/۲۶۸

۸۵- تاریخ صوفیائے میوات، ص۱۰۰-۱۵۰

۸۶- خزائن الفتوح، ص۱۴۴

۸۷- ضیاءالدین علوی: مرأۃ الانساب، ص۱۸۳

۸۸- دعوتِ اسلام، ص۲۵۷

۸۹- تزک جہانگیری، ص۱/۱۷۱

۹۰- مرأۃ الانساب، ص۱۷۵، اسی کتاب میں دیگر روایات کا بھی تذکرہ ہے

۹۱- K.S. Lal: Indian Muslim who are they p.72 لاہوری، ص۲/۱۳۳

۹۲- منتخب اللباب، ص۱/۵۱۰، یہ بات K.S. Lal نے اپنی کتاب Indian Muslim, who are they میں لکھی ہے۔

۹۳- دعوتِ اسلام، ص ۲۵۸

۹۴- K.S. Lal: Indian Muslim who are they p.79

۹۵- K.S. Lal نے یہ تفصیلات Sharma کی کتاب کے حوالے سے اپنی کتاب Indian Muslims who are they میں لکھی ہیں، ص ۸۰

۹۶- K.S. Lal نے یہ تفصیلات Sharma کی کتاب کے حوالے سے اپنی کتاب Indian Muslims who are they میں لکھی ہیں، ص ۸۰

۹۷- دعوتِ اسلام، ص ۲۵۹

۹۸- دعوتِ اسلام، ص ۲۰۸، ۲۰۹

۹۹- Indian Muslims who are they p.83

۱۰۰- اوم پرکاش پرساد: اورنگ زیب ایک نیا زاویہ نظر، ص ۴۴

۱۰۱- Indian Muslims who are they p.110

۱۰۲- Indian Muslims who are they p.87

۱۰۳- Indian Muslims who are they p.110

۱۰۴- B.N. Pandey: نصاب تعلیم پر ایک ...

۱۰۵- دعوتِ اسلام، ص ۲۵۹، ۲۶۰

۱۰۶- محمود خاں بنگلوری: سلطنت خداداد، ص

مسلم سلاطین پر اعتراضات

تمہید

ہندستان میں اشاعت اسلام کی تاریخ بیان کرتے ہوئے بعض متعصّب مؤرخین انتہائی جانب داری برتتے ہیں اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہاں اسلام کی اشاعت صرف تلوار کے زور سے ہوئی یا پھر بعض لوگوں نے محض دولت و جاہ و منصب کے لالچ میں اسلام قبول کیا۔ اس طرح کے مصنّفین میں ہرش نارائن، کے۔ ایس لال اور سہاس مجمدار وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے اس طرح کے موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں اور ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہندستان میں پرامن تبلیغ کا دور برائے نام رہا ہے ورنہ اصلاً یہاں تلوار کی گرم بازاری تھی۔ لوگوں کو غلام بنایا جاتا اور جبریہ ان کا مذہب تبدیل کرکے ان کو مسلمان بنادیا جاتا تھا۔

انگریزی کے علاوہ ہندی میں بھی اسی طرح کی بعض کتابیں لکھی گئیں، جن کا مقصد عہد وسطیٰ کے مسلمان حکمرانوں کی تصویر مسخ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

بعض مصنّفین کی اس یک طرفہ سوچ کے اظہار کے ساتھ ہی ہمیں اس کا بھی اعتراف کرنا چاہیے کہ ایسے انصاف پسند مؤرخ اور مصنف تعداد میں کہیں زیادہ ہیں، جن کی نظر حقائق پر ہے اور جو اس کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ مسلمان حکمرانوں کا دور بالعموم مذہبی آزادی کا دور تھا۔ انھوں نے جبراً کسی کے مذہب میں کوئی مداخلت نہیں کی اور انھوں نے مذہب و ملت کی تفریق اور مذہبی تعصب کے بغیر ہر ایک کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا۔

جبریہ اشاعتِ اسلام

اسلام کی اشاعت پر ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔ لیکن اس الزام کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اول تو تاریخ شاہد ہے کہ اسلام ایک فرد سے شروع ہوا اور سو سال سے کم عرصہ میں بہت وسیع علاقہ میں پھیل گیا۔ اگر جبر سے اسلام کی اشاعت ہوتی تو ایک فرد کے پاس وہ قوت کہاں سے آتی کہ وہ لوگوں کو جبریہ مسلمان بنائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ لوگوں کو اسلام میں داخل کرنا کارِثواب ہے اور اس لیے حکمرانوں نے اشاعتِ اسلام کے لیے تلوار کا استعمال کیا تھا۔ تو اس صورت میں انھوں نے خود قرآن کے حکم کی نافرمانی کی چوں کہ قرآن پاک میں واضح طور پر لکھا ہے:

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ:۲۵۶)

''دین میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔''

ہندستان کے پس منظر میں ابتداءً T.S. Eilliat نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ یہاں مسلمانوں نے سوائے ظلم کے کچھ نہیں کیا۔ اس کا ذکر آچکا ہے۔ بعد میں اور بھی بہت سے لوگ اس طرح کی تحریریں لکھنے لگے۔ اس طرح کے مورخین میں کے۔ ایس لال ایک معروف شخصیت ہیں۔

کے۔ ایس لال بالغ نظر مورخ ہیں، تاریخ پر ان کی گہری نظر کا ثبوت ان کی کتاب خلجی خاندان ہے۔ یہ ان کے اوّلین دور کی تصنیف ہے۔ بعد میں وہ کچھ اسباب کی بنا پر ایک مخصوص نقطۂ نظر کے حامی ہوتے چلے گئے۔ انھوں نے اپنی کتاب Indian Muslims who are they میں تاریخ کے اصل مصادر کو استعمال کیا ہے۔ لیکن پوری کتاب میں غلط تشریح، غلط تجزیہ اور غلط دلائل کے ذریعہ صرف یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے بہ زور شمشیر ہندستان کو مسلمان بنایا۔ حالاں کہ ساتھ ہی وہ اس کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ۱۸ویں صدی تک ہندستان میں مجموعی طور پر مسلمان ۹ فیصد یا اس سے بھی کم تھے۔ اور ان میں اگر بنگال اور مغربی ہندستان کے اکثریتی علاقہ کو نکال دیں تو شمالی ہند میں ان کا تناسب پانچ فیصد سے زیادہ نہیں ہوگا۔ گویا مسلمان حکمرانوں نے آٹھ سو سال ہندستان کو اسلامیانے کی کوشش کی تو صرف پانچ فیصد مسلمان ہوئے، ان میں خاصی تعداد باہر سے آئے مسلمانوں کی ہوگی۔

کے ایس لال کے غلط تجزیہ اور غلط مطالب اخذ کرنے کی متعدد مثالیں ہیں۔ مثلاً امیر تیمور کے حملہ کے ذکر کرتے ہوئے وہ امیر تیمور کی تیغ تبلیغ کا ذکر کرتے ہیں۔

حالاں کہ یہ بات کے ایس لال کے پیش نظر رہی ہوگی کہ اس وقت ہندستان پر مسلمانوں کی حکومت تھی اور امیر تیمور کی تیغ تبلیغ کا شکار ہندو نہیں ہوئے بلکہ صرف مسلمان ہوئے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ ہندستان میں حکومت تو مسلمانوں کی تھی لیکن پورا ملک ہندو تھا اور امیر تیمور کا مقصد تیغ تبلیغ سے ان کو مسلمان کرنا تھا، لیکن یہ بھی غلط مطلب ہوگا اس لیے کہ تیغ تبلیغ کے ذریعہ اس نے ایران کو مسخر کیا، جب کہ وہاں غیر مسلم نہیں تھے اور اس تیغ کے ذریعہ اس نے خلافت اسلامیہ کو فتح کیا، جو مسلمانوں کا ایک مقدس ادارہ رہا ہے۔

دراصل ہر عہد کی ایک زبان ہوتی ہے۔ عہد وسطیٰ میں تبلیغ، جہاد وغیرہ الفاظ اپنے اندر ایک خاص کشش رکھتے تھے۔ کوئی بھی نیا حکمراں اپنی بدعنوانیوں سے توجہ ہٹانے کے لیے بھی ان کا استعمال کیا کرتا تھا۔ امیر تیمور نے معمولی حیثیت سے اٹھ کر ایک حکومت قائم کی۔ طبعاً یہ حکومت مغلوں کی مرضی کے خلاف قائم ہوئی ہوگی۔ امیر تیمور نے عام مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے اور کچھ دوسرے مقاصد کے لیے تیغ تبلیغ اور جہاد جیسے الفاظ استعمال کیے۔ ورنہ اس کی تیغ تبلیغ سے شاید ہی کوئی غیر مسلم مسلمان ہوا ہو۔

عہدِ وسطیٰ کے بعض مورخین نے بھی غیر محتاط زبان لکھی ہے۔ متعصّب مؤرخین اس کا بھی غلط استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ ''خدا کی تلوار بے نیام ہوچکی ہے'' یا ایک مورخ لکھتا ہے کہ ''وہاں سوائے بچوں اور عورتوں کے کوئی باقی نہیں رہا'' یا ایک مورخ لکھتا ہے کفار کو تہہ تیغ کیا اور عورتوں اور بچوں کو باندی غلام بنالیا وغیرہ۔ اس طرح کے الفاظ ہیں جو تاریخی صداقت کے حامل نہیں ہوتے اور ان میں بے تحاشا مبالغہ آرائی ہوتی ہے۔ خود کے ایس لال جو اس طرح کے جملوں کا غلط استعمال کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں، وہ بھی ان کی مبالغہ آرائی کا اعتراف کرتے ہیں۔

اسی طرح مؤرخین کے بعض درست بیانات کا غلط استعمال بھی بہ کثرت ہوا ہے۔ مثلاً کہیں واقعہ بیان کردیا اس کا سبب نہیں لکھا۔ کہیں معمولی بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کردیا۔ درباری مؤرخین بادشاہ کے جاہ وجلال کو بہ زعم خویش ظاہر کرنے کے لیے دشمنوں کی اچھی طرح درگت کرنا اپنا خوش گوار

فریضہ سمجھتے تھے۔ بادشاہ کو مذہب کا بڑا محافظ اور تائید غیبی کا مصداق ٹھہرانے میں بھی مورخین نے غیر محتاط زبان استعمال کی اور یہ صرف مسلمانوں میں نہیں ہندوؤں میں بھی ہندو راجاؤں کی تعریف و توصیف اسی انداز پر کی جاتی تھی کہ دیوتا ان کی مدد کو آئے، دشمنوں کی بستیاں جلا دیں اور دشمنوں کا قتل عام کیا وغیرہ۔ ایسے بیانات کو زیب داستاں اور وقت کے اثرات کے ذیل میں ہی سمجھنا چاہیے۔ یہ اندراجات کسی حقیقت کا اظہار نہیں ہوتے بلکہ درباری مبالغہ آرائی کا حصہ ہوتے ہیں۔

یہ مبالغہ آمیزی قصیدہ نگاروں میں زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ قصیدوں میں بادشاہ کو کائنات کا سب سے بڑا بادشاہ ثابت کیا جاتا ہے۔ محض ان قصائد کی بنیاد پر کسی بادشاہ کا مقام متعین نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس کی زندگی کے جملہ پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر کیا جائے گا۔

درباری تاریخ نویس بھی دراصل قصیدہ نگار ہی ہوتے تھے۔ بس فرق یہ ہے کہ ان کی قصیدہ نگاری نثر میں ہوتی تھی۔

جزیہ اور اشاعتِ اسلام

اشاعتِ اسلام پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ جزیہ کے ذریعہ اس کی اشاعت ہوئی۔ اس سلسلہ میں اوّلین کتاب Daniel C. Denett کی Conversion and Poll Tax in Early Islam ہے۔ یہ کتاب ۱۹۵۰ میں Hardvard University. Press سے شائع ہوئی۔ اس میں بتایا ہے کہ اسلام کی اشاعت میں جزیہ کا کیا کردار رہا ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے ایران اور مسیحی علاقوں کا جائزہ لیا ہے۔

ایک ہندستانی مصنف Harsh Narayan (پیدائش: ۱۹۲۲) نے بھی اس موضوع پر ایک کتابچہ لکھا ہے اور اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کی اشاعت دراصل جزیہ کی مرہون منت ہے، اگرچہ وہ اپنی بات کو مبرہن کرنے کے لیے دلائل نہ دے سکے، لیکن ان کی خوش قسمتی سے تاریخ کی کتابوں میں ایک اندراج ملتا ہے کہ سلطان فیرز شاہ تغلق نے اعلان کیا کہ جو شخص مسلمان ہو جائے گا اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔ Harsh Narayan نے اس کو بنیاد بنا کر اپنے موضوع کی وضاحت کی ہے۔

ایک دوسرے مصنف K.S. Lal نے بھی اپنی کتاب Indian Muslims who are they میں یہ بتایا ہے کہ اشاعت اسلام سب سے زیادہ تلوار سے ہوئی۔ اس کے بعد جزیہ کے ذریعہ ہوئی۔

بعض مسلم مورخین نے اس کا جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ اس دعویٰ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مثلاً ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اس کا جائزہ لیا ہے اور بڑی حد تک اس کو عیاں کیا ہے کہ جزیہ سے بچنا کبھی بھی اشاعت اسلام کا ذریعہ نہیں رہا۔

اس اعتراض کا جائزہ لینے کے لیے سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ جزیہ کن لوگوں پر لگایا گیا اور کتنا لگایا گیا۔ تاریخی شہادتیں ہیں کہ جزیہ صرف صحت مند، خودکفیل بالغ مردوں پر لگایا گیا۔ اس میں سے مذہبی شخصیات مستثنیٰ تھیں۔ پروہتوں اور برہمنوں پر جزیہ نہیں تھا۔ ایسے لوگ بھی مستثنیٰ تھے جنھوں نے سرکاری ملازمت اختیار کرلی تھی۔

جن لوگوں پر جزیہ لگایا گیا ان کی تین قسمیں ہیں۔ امیر، متوسط اور غریب۔ امیروں سے مراد وہ لوگ تھے، جن کی آمدنی دس ہزار درہم سالانہ سے زیادہ تھی۔ ایسے لوگوں سے سالانہ ۴۸ درہم جزیہ لیا جاتا تھا۔ متوسط طبقہ میں وہ لوگ تھے جن کی آمدنی دوسو درہم سے زیادہ اور دس ہزار سے کم تھی۔ ان سے ۲۴ درہم سالانہ وصول کیا جاتا تھا۔ اور جن کی آمدنی دوسو درہم سے کم تھی ان سے بارہ درہم سالانہ لیا جاتا تھا۔ یہ شرح دہلی میں تھی۔ اگر جائزہ لیا جائے تو یہ شرح زکوٰۃ کی شرح سے بھی بہت کم ہے۔ اس لیے اگر ایک ہندو جزیہ سے بچنے کے لیے اسلام قبول کرے گا تو اس کو زکوٰۃ دینی ہوگی، جو اس سے کئی گنا زیادہ ہوگی۔ مثلاً کسی کی آمدنی ۹ ہزار ہے۔ اس کو زکوٰۃ میں ۲۲۵ روپے دینے ہوں گے۔ جب کہ جزیہ صرف ۲۴ روپے ہوگا۔ اگر جزیہ سے بچنے کے لیے مذہب تبدیل کیا جاتا تو مذہب تبدیل کر کے تو اس سے بھی کئی گنا زیادہ دینا پڑتا۔ اس لیے مذہب تبدیل کرنے کے لیے مالی منفعت بظاہر کوئی وجہ محسوس نہیں ہوتی۔

مذکورہ بالا شرح جزیہ کی زیادہ سے زیادہ حد تھی۔ کشمیر میں جزیہ اس سے بھی کم تھا۔ وہاں اس کی شرح ایک تولہ ۶ ماشہ چاندی تھی اور بعد میں وہ بھی کم کر کے صرف ۶ ماشہ کردی گئی تھی۔

اس الزام کا جائزہ لینے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ عہد وسطیٰ کے مورخین اور علماء اس کو اشاعتِ اسلام میں کتنا معاون مانتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخی طور پر اس الزام کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر جب اورنگ زیب نے دوبارہ جزیہ نافذ کیا تو اس کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ لوگوں کی بڑی تعداد قبولِ اسلام کے لیے امڈ پڑی ہو بلکہ اس عنوان کے تحت

کسی ایک فرد کے بھی مسلمان ہونے کا تذکرہ نہیں ملتا۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو مورخین اس کا ضرور ذکر کرتے اور بڑھا چڑھا کر ذکر کرتے۔

شیخ مجددؒ جو جزیہ کی تنفیذ کے زبردست مبلغ تھے، انھوں نے بھی کہیں یہ نہیں لکھا کہ جزیہ ختم ہو جانے سے اشاعتِ اسلام کا کام رک گیا اور اس کے نفاذ سے وہ پھر شروع ہو جائے گا۔ دوسری طرف بدایونی جو اکبر پر تنقید کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، وہ بھی یہ تنقید نہیں کرتے کہ جزیہ ختم کر دینے سے اشاعتِ اسلام میں رکاوٹ پیدا ہوئی تھی۔ اگر اس طرح کی کوئی بات عہد وسطیٰ میں ہوتی تو مورخ اس کا ذکر ضرور کرتے بلکہ اس کے برخلاف بعض دلائل ملتے ہیں مثلاً امیر خسرو کا ایک شعر ہے ۔

بہ ذمہ گر نبودی رخصت شرع

نہ ماندی نام ہندو زاصل و فرع

''اگر ذمیوں کے لیے شریعت میں رخصت نہ دی گئی ہوتی تو ہندو اصل سے فرع تک باقی نہیں رہتے۔''

ہرش نارائن (Harsh Narayan) نے اس سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جزیہ سے اشاعت اسلام بہت ہوئی۔ حالاں کہ اس شعر سے ان کے خلاف بات ثابت ہوتی ہے کہ جزیہ کی وجہ سے ہندو اپنی اصل پر باقی رہے ورنہ ختم ہو جاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ جزیہ کبھی بھی نہ تو مسلمانوں کا اہم مالیاتی ذریعہ رہا ہے اور نہ ہی اس کا تعلق اشاعت مذہب سے رہا ہے۔ مذہب کی بنیاد انسان کے دل میں اتنی کم زور نہیں ہوتی کہ محض ایک معمولی سے مادی فائدے کے لیے مذہب کو ترک کر دے۔ مادی فوائد محدود ہوتے ہیں اور مذہب کا تصور آفاقی ہوتا ہے، جو انسان کی اس زندگی سے لے کر ہمیشہ کی زندگی کو محیط ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان مذہب کی حفاظت کے لیے بہ آسانی اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے، اس لیے کہ جان ایک بار جائے گی جب کہ مذہب گیا تو اس کے عقیدے کی رو سے اس کی آخرت بھی برباد ہو جائے گی۔

عام طور پر انسان مذہب اس وقت تبدیل کرتا ہے جب اس کو دنیا کے علاوہ آخرت کا یا زندگی بعد الموت کا کوئی فائدہ نظر آتا ہے۔ معمولی مادی نفع کی خاطر مذہب تبدیل نہیں کرتا اور وہ

بھی اس صورت میں جب مذہب تبدیل کر کے اس سے زیادہ رقم بہ شکل زکوٰۃ ادا کرنی پڑتی ہو تو عملاً مادّی فائدہ بھی باقی نہیں رہتا۔

یہاں ایک بات اور بھی قابلِ ذکر ہے کہ جزیہ غیر مسلموں سے ان کی جان و مال، عزت اور دھرم کی حفاظت کرنے کے لیے لیا جاتا تھا اور جزیہ ادا کرنے کی صورت میں وہ فوجی یا سرکاری خدمات سے مستثنٰی سمجھے جاتے تھے۔ اگر کوئی سرکاری ملازمت اختیار کر لیتا تو جزیہ سے اس کو رخصت مل جاتی تھی۔ اس طرح عملاً صرف چند لوگ جزیہ ادا کرتے تھے، جب کہ حفاظت کی ذمہ داری پوری قوم کی ہو جاتی تھی۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، اپاہجوں، مذہبی لوگوں وغیرہ پر کوئی جزیہ نہیں تھا لیکن یہ سب بھی اہل ذمہ میں شمار ہوتے تھے۔

ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہمیں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ہندوؤں نے جزیہ کی مخالفت کی ہو۔ اگر مخالفت کی ہوتی تو مسلمان مورخ ضرور ذکر کرتے کہ ہندوؤں کی مخالفت کے باوجود جزیہ نافذ کیا گیا۔ لیکن تاریخ میں اس طرح کا کوئی اندراج نہیں ہے۔ ہرش نارائن (Harsh Narayan) نے بڑی تلاش و جستجو سے اورنگ زیب کے نام، شیوا جی اور شمبا جی کے خطوط کا ذکر کیا ہے، جس میں جزیہ کی مخالفت کی گئی ہے۔ مصنف نے بتایا ہے کہ ایشیاٹک سوسائٹی نے ان خطوط کو اصلی مانا ہے۔ اگر یہ درست ہے تب بھی اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ شیوا جی کو اورنگ زیب سے اصولی طور پر اختلاف تھا، جیسا کہ راجا مان سنگھ کے نام اپنے خطوط میں شیوا جی نے ذکر کیا ہے۔ شیوا جی نے لکھا ہے کہ اورنگ زیب کے علاوہ مغل خاندان کا کوئی دوسرا حکمراں ہوا تو میں اس کی وفاداری کروں گا اورنگ زیب کی نہیں۔ ایسے حالات میں ان سے یہی توقع تھی کہ وہ اس کی مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔

عہد وسطیٰ میں جزیہ جیسے ٹیکس عام تھے، جو مذہبی محکوموں سے لیے جاتے تھے اور ان کا مقصد ان کے لیے تحفظ فراہم کرنا ہوتا تھا۔ ہندو حکمراں بھی مسلمانوں سے ایسے ٹیکس لیا کرتے تھے، جسے ترکش ڈنڈ، یا دھرڈ نڈ کہتے تھے۔ ترکش ڈنڈ کا مطلب مسلمانوں سے وصول کیا جانے والا جرمانہ اور دھرڈ نڈ کا مطلب لازمی وصول کیا جانے والا جرمانہ تھا۔ اور جزیہ کی حیثیت تو کسی جرمانہ کی نہیں تھی۔ آخر ملک کے فوجی مصارف ہر مملکت کے عوام ہی برداشت کرتے ہیں۔ اس کے لیے آج بھی طرح طرح کے ٹیکس لیے جاتے ہیں۔ مسلمانوں سے زکوٰۃ کی مد میں اچھی خاصی رقم

ریاست کو ملتی تھی۔ اب اگر غیر مسلم عوام سے اسی کے متبادل کی حیثیت رکھنے والے ایک ٹیکس کا جزیہ کی شکل میں نفاذ کیا گیا تو وہ کس طرح ظلم قرار دیا جاسکتا ہے اور یہ تو واضح ہے کہ اس کے ذریعہ اسلام کی توسیع و اشاعت میں کوئی اہم پیش رفت نہیں ہوئی۔

جنگی قیدیوں کو جبریہ مسلمان کرنے کا شاخسانہ

ہندستان میں اشاعت اسلام پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مسلمان فاتحین نے لوگوں کو غلام بنا کر مسلمان کرلیا۔ کے ایس لال نے اس سلسلہ میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ فیروز شاہ تغلق نے ایک لاکھ اسّی ہزار غلام جمع کیے۔ علاء الدین خلجی نے پچاس ہزار غلام جمع کیے۔ عماد الملک نے چار ہزار غلام خریدے اور یہ سب رفتہ رفتہ زبردستی مسلمان بنائے گئے۔ لیکن اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات غلط ثابت ہو جائے گی، اس لیے کہ ایک لاکھ اسی ہزار افراد کو کوئی غلام نہیں بنا سکتا اور نہ ہی کوئی زبردستی ان کا مذہب تبدیل کرا سکتا ہے۔ ایک لاکھ اسی ہزار اتنی بڑی تعداد ہے کہ اس وقت پوری پوری فوجیں اتنی بڑی نہیں ہوا کرتی تھیں۔

ایک تو یہ غلط فہمی پیدا کی جاتی ہے کہ جنگی قیدی ہزاروں سے متجاوز ہوتے تھے اور بہر صورت وہ مسلمان بنا لیے جاتے تھے۔ حالاں کہ یہ درست نہیں ہے۔ انہی حکمرانوں کی فوج میں بڑی تعداد میں ہندو ملازم ہوا کرتے تھے۔ یہ تعداد ۱۸ سے ۲۰ فیصد تک رہی ہے۔ اگر اسلام قبول کرنے کے لیے زور وقوت کا استعمال ہوتا تو اتنی بڑی تعداد غیر مسلم کس طرح رہ سکتی تھی۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ غلام کا مطلب لازماً ہندو غلام نہیں ہوتا بلکہ ترک اور مسلم ممالک کے فوجی ملازمین بھی غلام کہے جاتے تھے۔ بلکہ حبشہ اور افریقہ سے درآمد کیے ہوئے مسلمان غلام بھی ان فوجوں کا ایک بڑا حصہ ہوا کرتے تھے۔

آخری بات یہ ہے کہ جنگوں میں دشمنوں کو غلام بنانے کی تعداد مبالغہ آمیز ہوتی تھی۔ عہد وسطیٰ کے مورخین نے تعداد وغیرہ کے بیان میں بڑی بے احتیاطی برتی ہے۔ ظاہر ہے محض ان کا اندراج ہی کافی ثبوت نہیں ہے، دیگر قرائن سے اس کی تائید ضروری ہے۔ اگر مسلمانوں کا رویہ یہی ہوتا کہ جس کو پایا زبردستی مسلمان کر دیا تو دہلی جو آٹھ سو سال پایہ تخت رہا آخر وہاں اور پورے شمالی ہند میں مسلمانوں کی تعداد ۱۰ فیصد سے بھی کم کیوں ہوتی، جس کا اعتراف خود کے ایس لال

اور دیگر مصنّفین کو بھی ہے۔آ رنلڈ نے بھی لکھا ہے:

> ''اسلام کی توسیع و اشاعت پر مسلم حکمرانوں کے تشدد کا کتنا قلیل اثر پڑا تھا، اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی قوت کے مراکز مثلاً دہلی اور آ گرہ میں بھی مسلمانوں کا تناسب آبادی اس وقت یہ ہے کہ اول الذکر ضلع میں کل آبادی کا بہ مشکل دسواں حصہ ہیں اور موخر الذکر ضلع میں چوتھائی حصہ بھی نہیں ہیں۔''

آرنلڈ کے اس تجزیہ کے ساتھ اس بات کو ضرور مدنظر رکھنا چاہیے کہ یہی دو شہر باہر سے آنے والے مسلمانوں کے مرکز رہے ہیں۔ ایران، عرب اور دیگر مسلم مما لک سے آنے والے مسلمان دہلی اور آگرہ میں زیادہ آباد ہوئے۔اس لیے جو تبدیلی مذہب کا عنصر ہے وہ یہاں اور بھی کم بلکہ اقل قلیل ہے۔

مسلمان تاجروں کی تبلیغی خدمات

تمہید

ہندستان کے ساتھ عربوں کے روابط بہت قدیم تھے۔ عہد جاہلیت میں بھی ہندستان میں عربوں کی آمدورفت تھی۔ ہندی تلوار عربی ادب میں بطور استعارہ استعمال ہوتی ہے۔

ہندستان کے ساتھ عربوں کے تعلقات کی نوعیت دو طرح کی تھی۔ ایک تو ہندستان کے ساتھ براہِ راست تجارتی تعلقات تھے۔ عرب تاجر ہندستان کی بعض مصنوعات جیسے تلوار اور بعض پیداوار جیسے خوشبوئیں، لوبان وغیرہ ہندستان سے لے جاتے تھے، چوں کہ ہندستان کا قدیم ادب بہت محدود ہے، اس لیے صحیح اندازہ مشکل ہے۔ قیاساً یہ کہا جاسکتا ہے کہ عرب تاجر بعض ادویہ اور بعض ہتھیار نیز چینی مصنوعات یہاں لے کر آتے ہوں گے۔

ہندستان سے عربوں کا دوسرا تعلق بطور گزرگاہ کے تھا۔ عرب تاجر لنکا اور چین کے ساتھ اپنے تجارتی سفر میں ہندستان سے گزرتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کے خاص مراکز سندھ، کشمیر، گجرات، مالابار اور مدراس تھے۔ مدراس کا قدیم ہندستانی نام کارومنڈل ہے لیکن عرب چوں کہ مدراس سے عبور کر کے چین جایا کرتے تھے، اس لیے انھوں نے اس کا نام معبر رکھ دیا تھا۔ یہی معبر کثرت استعمال سے مدراس ہوگیا۔

مدراس (معبر) قدیم ترین مسلم آبادی کا علاقہ ہے۔ یہاں پانڈیہ خاندان کی حکومت تھی۔ اور اس لیے کہ بحری تجارت مسلمان کرتے تھے یہاں کے راجا ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ان کو مراعات حاصل تھیں۔ تجارت کے علاوہ ملازمت وغیرہ بھی کرتے تھے۔ بلکہ راجا نے کئی علاقوں میں مسلمانوں کو مختار بنا رکھا تھا۔ مثلاً ویرپانڈیہ کا وزیر (مختار) ملک تقی الدین عبدالرحمٰن نام کا ایک مسلمان تھا۔

عرب و ہند کے قدیم تجار ہندستانی تعلقات

مالا بار، گجرات اور سندھ سے بھی مسلمانوں کے تجارتی تعلقات بہت قدیم زمانہ سے تھے۔ گجرات میں کھنبایت اور وبھی پور وغیرہ سے نیز سندھ میں ٹھٹھ، دیبل وغیرہ سے عربوں کے قدیم ترین روابط تھے۔ مشہور ہے کہ السیف الہندی دراصل ٹھٹھ کی بنی ہوئی تلوار کو کہا جاتا تھا۔

شمالی ہند کے وسط میں بنارس اور قنوج سے مسلمان تاجروں کے قدیم ترین تعلقات کا پتا چلتا ہے۔ اگرچہ ان کا زمانہ دوسری صدی تا تیسری صدی ہجری متعین کہا جاتا ہے تاہم یہ صرف شواہد کے فقدان کا مسئلہ ہے، ورنہ یہ معلوم ہے کہ عربوں میں ہندستان کی عطریات کا رواج تھا اور یہاں قنوج عطریات کا بڑا مرکز رہا ہے۔ قنوج میں جو مسلم آبادی فتح ہند سے پہلے تھی، وہ صرف تجارتی اغراض سے وہاں آباد ہوئی تھی۔ کسی حملہ یا فوجی مہم کے زیر اثر نہیں تھی۔ ایسے حالات میں اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس تجارتی تعلق کو دوسری صدی سے شروع کیا جائے۔ وہ یقیناً اس سے بھی قدیم تھا۔

محمد قاسم فرشتہ نے تاریخ فرشتہ میں اور غلام علی آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں ان تعلقات کی قدامت کو ثابت کرنے کے لیے بعض بے سروپا باتیں بھی لکھی ہیں۔ ان کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ بہرحال ثابت ہے کہ ہندستان سے عربوں کے تعلقات زمانہ جاہلیت سے تھے اور یہ تعلقات تجارتی نوعیت کے تھے۔

اس موقعہ پر اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ ہندستان میں مسلمانوں کی تجارتی بستیوں کا علیحدہ نظم ہوتا تھا۔ مقامی راجا کسی ذمہ دار مسلمان کو امیر منتخب کر دیتا تھا۔ مسلمانوں کے تمام معاملات اسی کے توسط سے طے پاتے تھے۔ یہ امیر ہنر من کہلاتا تھا۔ ہنر من دراصل ہنر مند کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ہنر مند فارسی لفظ ہے، جو اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ عرب تاجروں سے قبل ایرانی اثرات بھی نمایاں رہے ہوں گے۔ مسلمانوں کو ایک نام مقامی طور پر نوائط دیا گیا تھا۔ نوائط ایک مستقل قوم بن گئی، جو آج تک موجود ہے۔ لفظ نوائط کی اصل بھی فارسی ہے۔ یہ دراصل نو وارد کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ نوائط بھی بالعموم ان مسلمانوں کو کہا جاتا ہے جو تجارتی اغراض سے ساحل ہند پر آباد ہو گئے تھے۔

ہندستان میں مسلمانوں کی آبادیوں کو کئی نام دیے گئے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ کئی قومیں تشکیل پائیں۔ یہ بالکل تجارتی نوعیت کی نو آبادیاں تھیں، جنھوں نے مختلف مقامات پر مستقل بود و باش اختیار کر لی اور بعض نے تو یہاں کے طور طریقے اور رہن سہن حتی کہ زبان وغیرہ پورے طور پر اختیار کر لی۔

اوپر اس طرح کی ایک قوم نوائط کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ نوائط کے علاوہ ایک قوم لبی (Labbes) بھی مشہور ہے۔ یہ دراصل عرب اور تامل مخلوط نسل ہے، جس کی آبادیاں کیرالہ میں ساحل ہند پر پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح موپلا مسلمان ہیں۔ موپلا دراصل ان مسلمانوں کو کہا جاتا ہے جو مستقل کیرالہ کے باشندے تھے اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ موپلا کا مطلب دولہا یا بڑا بچہ ہوتا ہے اور یہ عزت واحترام کا خطاب ہے، ملیچھ کی طرح نفرت کا اظہار نہیں۔

موپلا قوم کو وہاں کے مقامی راجا بڑے احترام سے دیکھتے تھے۔ موپلا کا اپنا ایک سردار ہوتا تھا، جو تھنگل کہلاتا تھا اور اس کی سواری راجا کی سواری کے ساتھ چلتی تھی۔ بلکہ راجا کا تلک کسی موپلا سے ہی کرایا جاتا تھا۔

مسلمان تاجروں کے اثرات

مسلمان تاجروں کے اثرات پورے ساحلی علاقوں پر پھیلے ہوئے تھے اور ان کو عام طور پر عزت و وقار حاصل تھا۔ دراصل مقامی راجا اپنی عزت وخوش بختی کو انھی تاجروں سے منسوب سمجھتے تھے۔ متعدد مسلمانوں نے بھی مقامی راجاؤں کے حسن وسلوک کی تعریف کی ہے۔ مثلاً سلیمان الصیرافی ایک ایرانی تاجر تھا۔ اس نے ہندستان کا سفر کیا۔ اسی طرح بزرگ بن شہریار نے بھی ہندستان کا سفر کیا اور عجائب الہند (سن تصنیف ۸۵۱ء) کے نام سے اپنا سفرنامہ تحریر کیا۔ اسی طرح مسعودی نے بھی ہندستان کا سفر نویں صدی عیسوی میں کیا تھا۔ انھوں نے بیک زبان مختلف شہروں میں مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیوں، مسلم تاجروں کی بود و باش اور ان کے ساتھ مقامی حکمرانوں کے حسن سلوک کا تذکرہ کیا ہے۔

مسعودی نے لکھا ہے کہ ولبھ حکمراں راجا بلھارا (کذا) کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ بہت اچھا ہے اور عوام بھی مسلمانوں کی عزت کرتے ہیں۔(۱)

مسعودی نے مختلف شہروں میں مسلمانوں کی آبادی کے متعلق بھی لکھا ہے۔ مثلاً صرف

صیمور میں دس ہزار مسلمان آباد تھے (۲) اس تعداد کی اہمیت کا اندازہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ اس وقت دنیا کے سب سے بڑے شہر کی آبادی ایک لاکھ سے بھی کم تھی۔ ایسے وقت میں کسی ایک شہر میں دس ہزار مسلمانوں کی موجودگی اس بات کی غماز ہے کہ وہاں مسلمان عرصہ سے مقیم ہوں گے اور تبلیغ کے ذریعہ یا مناکحت کے ذریعہ ان میں مقامی افراد بھی شامل ہو گئے ہوں گے۔

دکن کے راجا کے بارے میں مسعودی نے لکھا ہے کہ وہ مسلمانوں سے مصالحانہ رویہ رکھتا تھا اور ان کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کرتا تھا۔ (۳)

بزرگ بن شہریار کے سفرنامہ میں بعض ایسے اشارے ملتے ہیں کہ تاجروں کے میل جول سے ہندو تاجروں نے اسلام قبول کیا، جیسے وہ ایک ایسے تاجر کا ذکر کرتا ہے جس کا کاروبار بہت وسیع تھا اور وہ نومسلم تھا۔ (۴)

مسلمان تاجر اگرچہ بڑی حد تک مامون و مطمئن تھے، حکومت ان کی توقیر کرتی تھی، عوام میں بھی ان کا احترام تھا، لیکن پھر بھی ساحلی علاقوں میں مسلم کش فسادات کا تذکرہ ملتا ہے۔ لیکن یہ فسادات بظاہر اس وقت رونما ہوئے جب ہندوؤں نے اپنے اقتدار کو خطرہ محسوس کیا۔ مثلاً پانڈیہ حکمراں معبر میں مسلمانوں کا بڑا اکرام کرتے تھے اور مسلم تاجروں کو ہر قسم کی سہولت فراہم کرتے تھے، لیکن ویرپانڈیہ کے بعد وہاں مسلمانوں نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی، جسے تقریباً سو سال بعد وجے نگر کے حکمرانوں نے ختم کر دیا۔ اس موقع پر وہاں مسلمانوں کا قتل عام ہوا اور ان کی بے حرمتی کی گئی حتی کہ مسلمانوں کو جان وایمان بچانے کے لیے پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔

اسی طرح گجرات میں بھی ایک مسلم کش فساد کا تذکرہ ملتا ہے۔ العوفی نے جامع الحکایات میں لکھا ہے:

> ''راجا جنک کے عہد حکومت میں پارسیوں نے ہندوؤں کو کھمبایت کی ایک نومسلم آبادی کے خلاف مشتعل کر دیا۔ انھوں نے مسجد کا ایک مینار منہدم کر دیا اور اسّی مسلمانوں کو شہید کر دیا۔'' (۵)

اس واقعہ میں دو باتیں اہم ہیں۔ ایک تو پارسیوں کا ورغلانا، دوسرے ہندوؤں کا اتنا مشتعل ہو جانا کہ انھوں نے اسّی مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔ یہاں یہ بات قرین قیاس ہے کہ پارسیوں نے ہندوؤں کو اس طرح ڈرایا ہوگا کہ مسلمانوں نے جس طرح ہمارے ملک (ایران) کو مسلمان

کرلیا ہے، اسی طرح تمھارے ملک کو بھی مسلمان کرلیں گے۔ اور مسلمانوں کی تبلیغی مساعی کو بہ طور دلیل پیش کیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اس دوران تبدیلی مذہب کا کوئی بڑا واقعہ بھی پیش آیا ہو جس نے مقامی آبادی کو فوری اشتعال میں مبتلا کر دیا ہو۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بھی اس امکان کی طرف اشارہ کیا ہے۔(٦)

ایک بات یہ ہے کہ ہندو سمندری سفر کو مذہبی جرم سمجھتے رہے ہیں اور اس سے اجتناب کرتے رہے ہیں۔ مسلمان تاجروں سے ان کی ان ضروریات کی جو سمندری سفر پر منحصر ہوتی تھیں، تکمیل ہوجاتی تھی۔ تاہم پھر بھی بعض ہندو اصحاب مسلمانوں کے ساتھ سمندری سفر کرتے تھے۔ ایسے اصحاب بالعموم مسلمان ہی فرض کیے جاتے تھے۔ ہندو معاشرے میں ان کا دخول ونفوذ نہیں ہوتا تھا اور اس سے ان کے وقار میں بھی کوئی کمی نہیں ہوتی تھی۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے کالی کٹ کے سامری حکمراں تھے۔ وہ حکمراں راج تلک ہوتے ہی اچھوت بن جاتے تھے اور اعلیٰ ذات کے ہندو ان کو چھوا نہیں کرتے تھے تاہم ان کے مکمل وفادار ہوتے تھے (٧) بعض مقامی حکمراں چاہتے تھے کہ ان کے علاقہ میں ایسے لوگ ہوں جو سمندری سفر کریں اور اس کے لیے مسلمان ہوجائیں۔ مثلاً آرنلڈ نے لکھا ہے:

> ''کالی کٹ کا راجا زمورن عرب تاجروں کا بڑا سرپرست تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قبولِ اسلام کی حوصلہ افزائی کرتا تھا تا کہ اسے ان جنگی جہازوں کے لیے آدمی مل سکیں جن پر ان کی عظمت و طاقت کا انحصار تھا۔ لہٰذا اس نے حکم دے رکھا تھا کہ اس کی مملکت میں ماہی گیروں کے ہر گھرانے میں سے ایک یا دو لڑکوں کی تربیت اسلام کے طریقہ پر کی جائے۔''(٨)

اوپر کی گفتگو سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ ہندستان میں مسلمان تاجر ابتدا سے ہی عزت وتوقیر کی نظر سے دیکھے گئے۔ مقامی حکمرانوں نے ان کو تجارتی سہولیات مہیا کیں اور ان کو قانونی تحفظ عطا کیا۔ اس طرح مسلمان تاجروں کی آبادیاں مختلف علاقوں میں قائم ہوگئیں۔ ان آبادیوں کے اثر سے بھی اسلام کی اشاعت ہوئی ہوگی۔ اگرچہ اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان آبادیوں میں دینی رہنمائی اور دینی تعلیم وتربیت کے لیے امام، علماء اور صوفیہ کی موجودگی ضروری ہے۔ ان میں سے کچھ کی تبلیغی مساعی کا تذکرہ اوپر آچکا ہے تاہم اس کا تفصیلی تذکرہ دستیاب نہیں ہے، جس سے ان کی مساعی پر روشنی پڑتی۔

البتہ ان تاجروں کے ذریعہ مناکحت وغیرہ کا تذکرہ ملتا ہے کہ انھوں نے مقامی لوگوں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات قائم کیے۔ اس طرح اسلام کی اشاعت ہوئی۔(۹)

تاجروں کی تبلیغی خدمات

ہندستان میں مسلم فاتحین کے ذریعہ اشاعت اسلام پہلی صدی ہجری میں شمالی اور مغربی ہند میں شروع ہوئی۔ ٹھیک اس وقت جنوب ہند میں اشاعت اسلام تاجروں کے ذریعہ شروع ہوئی۔ شیخ زین الدین معبری کے حوالہ سے ان تجارتی تعلقات کے بارے میں اور ان کے ذریعہ اشاعتِ اسلام کے بارے میں آرنلڈ نے لکھا ہے:

> ''گرم مسالوں، ہاتھی دانت اور جواہرات کی جو تجارت سیکڑوں برسوں سے ہندستان اور یوروپ کے درمیان عربوں اور ایرانیوں کے ذریعہ رائج تھی، اس کی وجہ سے جنوبی ہند کے مغربی ساحل پر اسلام کا اثر مسلسل جاری رہا۔ باہر کے لوگوں کی اس مسلسل آمد سے وہاں کے تجارتی شہروں میں ایک مخلوط آبادی پیدا ہوگئی، جو آدھی ہندو اور آدھی عربی و ایرانی تھی۔ ان مسلمان تاجروں اور وہاں کے ہندو راجاؤں کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ چوں کہ یہ حکمراں مسلمان تاجروں کی حفاظت اور سرپرستی کرتے تھے کیوں کہ ان کے ہی دم قدم سے ان کے یہاں تجارت کا بازار گرم رہتا تھا، جن پر ان کے ملک کی خوش حالی منحصر تھی۔ یہ راجا اسلام کی اشاعت میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالتے تھے۔ بلکہ جو مقامی لوگ مسلمان ہو جاتے تھے ان کی غیر ملکی تاجروں کی طرح عزت کرتے تھے، اگرچہ اسلام لانے سے پہلے یہ نومسلم سماج کی نیچ ذاتوں سے تعلق رکھتے تھے۔(۱۰)

مالابار

مالابار کا علاقہ مسلمان تاجروں کی اولین جولان گاہ ہے۔ اس علاقہ میں اشاعت اسلام کی تاریخ بیان کرتے ہوئے شیخ زین الدین معبری نے ایک قصہ لکھا ہے۔ اس کے مطابق:

> ''اس ملک میں سب سے پہلے جن لوگوں نے اسلام کی تبلیغ کی وہ زائرین کی ایک جماعت تھی جو لنکا کی طرف حضرت آدم کے نشان قدم کی زیارت کے لیے جارہی تھی۔ جب وہ کزنگ نور میں پہنچے تو وہاں کے راجا نے ان کو بلا بھیجا۔ اس جماعت کا سربراہ شیخ شرف بن مالک تھا اور اس کے ہمراہ اس کا بھائی مالک بن دینار اور اس کا بھتیجا

مالک بن حبیب بھی تھا۔ شرف بن مالک نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور راجا کے سامنے اسلام کی تعلیم اور رسول اللہؐ کی رسالت کو پیش کیا۔ خداوند کریم نے رسول خدا کی تعلیم کی صداقت راجا کے دل میں اتاردی اور وہ ان پر ایمان لے آیا۔ اس نے شیخ اور اس کے ساتھیوں سے کہا کہ جب حضرت آدم کے نشان قدم کی زیارت سے واپسی آئیں تو مجھ سے دوبارہ ملیں، جب یہ زائرین لنکا سے واپس آئے تو راجا چپکے سے جہاز پر سوار ہوکر، جو ساحل عرب کو جارہا تھا، ان کے ساتھ روانہ ہوگیا اور اپنی مملکت کا انتظام ایک نائب کے سپرد کرگیا۔ وہ بلاد عرب میں کچھ عرصہ ٹھہرا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وطن واپس پہنچ کر مسجدیں تعمیر کرے اور دین اسلام پھیلائے۔ لیکن جب وہ واپسی کے لیے تیاری کررہا تھا تو اچانک بیمار ہوگیا اور انتقال کرگیا، لیکن اس نے مرنے سے قبل اپنے ساتھیوں کو تاکیداً وصیت کی کہ اس نے مالابار میں تبلیغ اسلام کا جو قصد کررکھا ہے، اس کو ترک نہ کریں۔ اس کام میں امداد دینے کی غرض سے راجا نے ان کو اپنے نائب کے نام چند خطوط دیے اور ان سے کہا کہ اس کی وفات کی خبر پوشیدہ رکھیں۔

شیخ شرف الدین مالک اور اس کے ساتھی یہ خطوط لے کر کرنگ نور کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور ان کو راجا کے نائب کے سامنے پیش کیا۔ نائب ان سے بہت مہربانی سے پیش آیا اور (راجا کی ہدایت کے مطابق جو مراسلہ میں مندرج تھیں) اس نے ان کو ایک قطعہ زمین عطا کیا، جس پر انھوں نے ایک مسجد تعمیر کی۔ مالک بن دینار نے وہاں آباد ہونے کا فیصلہ کیا۔ اور مالک بن حبیب ایک تبلیغی دورے پر روانہ ہوگیا تاکہ تمام مالابار میں مساجد تعمیر کرے۔ پس مالک بن حبیب اپنی بیوی، بچوں اور کچھ اسباب کے ساتھ شہر کولم کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک مسجد بنائی ...(زین الدین معبری نے اس کے بعد سات مختلف شہروں میں شرف بن مالک کے جانے اور مسجد تعمیر کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے) واپس آکر اس نے خدا کی حمد وثنا کی اور اس بات پر اس کا شکر ادا کیا کہ اس نے دین اسلام کو ایک ایسے ملک میں پھیلایا جو کافروں سے بھرا پڑا تھا۔'' (۱۱)

اس روایت کی تاریخی حیثیت پر بعض لوگوں نے کلام کیا ہے۔ لیکن بعض شواہد ایسے موجود ہیں، جو اس واقعہ کی کسی نہ کسی شکل میں تصدیق کرتے ہیں مثلاً:

(۱) کیرالہ میں مالک بن دینار کی قبر موجود ہے۔

(۲) موپلا کی یہ روایت مؤرخین نے قبول کی ہے کہ جنوبی عرب کے ساحل پر ایک ہندستانی راجا کی قبر ہے جس پر لکھا ہے ''عبدالرحمٰن السامری جو۲۱۲ھ میں وارد ہوا اور ۲۱۶ میں انتقال کر گیا۔(۱۲)

(۳) اس روایت کی تیسری تائیدی دلیل سامری قوم کا رواج ہے، جو صدیوں تک جاری رہا۔ تاراچند نے لکھا ہے، ''اب بھی جب سامری گدی نشین ہوتا ہے تو اسے مسلمانوں کے کپڑے پہنائے جاتے ہیں اور ایک موپلا اس کے سر پر تاج رکھتا ہے۔ اس کے بعد سامری کو ذات باہر سمجھا جاتا ہے اور نائر یا اعلیٰ طبقہ کے ہندو اسے ہاتھ نہیں لگاتے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے پیش رو کا جو عرب چلا گیا ہے نائب ہے۔ جب ٹرانکور کا مہاراجا تخت نشین ہو کر تلوار حاصل کرتا ہے تو اسے کہنا پڑتا ہے کہ میں یہ تلوار اس وقت تک رکھوں گا جب تک میرا چچا جو کہ مکہ معظمہ گیا ہے۔ واپس نہیں آتا۔(۱۳)

ان شواہد کی بنا پر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تحفۃ المجاہدین کی روایت بے اصل نہیں ہے، البتہ اس کی بعض تفصیلات زیب داستاں کا حصہ ہو سکتی ہیں، جو کسی بھی واقعہ میں مرور ایام سے شامل ہو جاتی ہیں۔

مالابار کالی کٹ موجودہ کیرالہ میں حکومت کی حوصلہ افزائی اور مسلمان تاجروں کی جدوجہد سے مسلمانوں کی خاصی بڑی آبادی بلکہ آبادیاں قائم ہو گئیں۔ ان کے اثرات سے بہت سے مقامی باشندے بھی حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے۔ ابن بطوطہ جب آٹھویں صدی ہجری میں یہاں آیا تو اس نے متعدد مقامات پر مسلمانوں کی بڑی بڑی آبادیاں دیکھی تھیں۔(۱۴)

مالابار میں سولہویں صدی تک اسلام کی اشاعت تیز رفتاری سے ہوئی۔ لیکن سولہویں صدی میں پرتگالیوں نے اس علاقہ میں مسلمانوں پر دست تعدی دراز کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجارت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی، اور یہاں اشاعت اسلام کی رفتار بھی سست ہو گئی۔ ۱۹۲۱ کی مردم شماری کے مطابق کیرالہ میں مسلمانوں کا تناسب تیس فیصدی تھا۔ یعنی ایک تہائی۔

معبر

معبر کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔ یہ مسلمان تاجروں کی جولان گاہ کا دوسرا مرکز تھا۔ اس کا قدیم نام کارومنڈل ہے۔ مسلمان اس کو معبر کہتے تھے، اور یہاں مسلمانوں کی خاص تجارت عربی

گھوڑے تھے۔اس علاقہ میں مسلمانوں کی قدیم آبادی کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ یہاں اے ھ تک کے سکے دستیاب ہوئے ہیں۔(۱۵)

کیالا پٹم کے گزیٹر میں ایک روایت لکھی ہے کہ پانڈیہ خاندان کے حکمرانوں نے عربوں کو اپنی بستی بسانے کے لیے چار میل لمبا اور ڈیڑھ میل چوڑا علاقہ دے دیا تھا۔ یہاں کے مسلمان تامل زبان بھی عربی رسم الخط میں لکھتے ہیں۔(۱۶) اس سے خیال ہوتا ہے کہ نومسلم ہندستانیوں اور عربوں کے اختلاط سے اس کی بنیاد پڑی ہوگی۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ معبر کے حکمراں سندر پانڈیہ کا وزیر اور مشیر ایک مسلمان ملک تقی الدین بن عبدالرحمٰن تھا اور اس کے دو بھائی بھی اس راجا کے یہاں بڑے مقرب تھے۔ یہ تینوں بھائی عربی گھوڑوں کے تاجر تھے۔ یہ مسلمان ہندو راجاؤں کے بڑے وفادار تھے۔اپنی پوری پوری عمریں انھوں نے ان راجاؤں کی خدمت میں بسر کیں، بلکہ جب سلطان علاءالدین خلجی نے پانڈیہ حکمرانوں پر حملہ کیا تو ان مسلمانوں نے بڑی بہادری سے راجا کی حمایت میں علاءالدین کے سپہ سالار ملک کافور کا مقابلہ کیا۔(۱۷)

مالدیپ اور لکش دیپ

کیرالہ کے قریب جزائر مال دیپ و لکش دیپ ہیں اول الذکر تو ایک مستقل ملک ہے۔ البتہ مؤخر الذکر ہندستان کا حصہ ہے اور ان جزائر میں ۹۶ فیصد آبادی مسلمان ہے۔ ان کی اشاعتِ اسلام مسلمان تاجروں اور ان تاجروں کی بستیوں میں مقیم علمائے اسلام کے ذریعہ ہوئی۔ مقامی طور پر مشہور ہے کہ وہاں کے لوگوں نے ایک عرب مبلغ کے ہاتھ پر جن کا نام ممبا ملیا تھا، اسلام قبول کیا۔ان کی قبر ہنوز ان جزائر میں ہے اور زیارت گاہ ہے۔(۱۸)

لداخ

عرب تاجروں کی سرگرمیاں بحری راستہ سے، بحرعرب، بحرہند کے ذریعہ چین تک تھیں اور خشکی کے راستہ سے بھی چین سے تجارت ہوتی تھی۔ خشکی کے راستہ تجارت اس راستہ کے قرب و جوار سے ہوتی تھی، جہاں آج شاہراہ قراقرم تعمیر ہوئی ہے۔اس راستہ میں ایک پڑاؤ لداخ پڑتا

تھا۔ اس طرح مسلمان تاجروں کے ذریعہ لداخ میں بھی اسلام کی اشاعت ہوئی اور لداخ میں مسلمان تاجروں نے مستقل سکونت بھی اختیار کی۔ ان کے اخلاف آج بھی اس علاقہ میں پائے جاتے ہیں۔

لداخ میں تاجروں کے ذریعہ اسلام کی اشاعت سے متعلق آرنلڈ نے لکھا ہے:

> ''لداخ میں ایک مخلوط قوم کے لوگ ہیں جو ارغون کہلاتے ہیں۔ وہ تبّتی عورتوں کے بطن سے ہیں لیکن ان کے باپ مسلمان تاجر تھے جو لیہہ میں آتے تھے اور انھوں نے تبّتی عورتوں سے شادیاں کر کے ان کو مسلمان ہونے کی ترغیب دی تھی۔ ارغون تمام مسلمان ہیں اور اپنے باپ دادا کی طرح تبّتی عورتوں سے شادیاں کرتے ہیں۔ (۱۹)

کشمیر

لداخ کے علاوہ کشمیر کے بعض علاقے بھی اس شاہراہ پر واقع ہیں، نیز بلتستان کا علاقہ بھی تاجروں کی اس گزرگاہ پر ہے۔ یہاں سیاسی طور پر اسلام چودھویں صدی سے پہلے نہیں پہنچا تھا، جب کہ مسلمان اس علاقہ میں پہلی صدی ہجری/آٹھویں صدی سے موجود تھے۔ یہ بات معلوم ہے کہ کشمیر کے مسلمان تاجروں نے تبت کے علاقہ میں اسلام کی اشاعت کی۔ اسی طرح بلتستان میں ایسی مخلوط تبّتی نسل آباد ہے، جن کے اجداد تبت اور کشمیر کے رہنے والے تھے۔ ان شواہد کی روشنی مین یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ ان علاقوں میں اسلام کی اشاعت ان تاجروں کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ رہی ہوگی جو اس علاقہ میں تجارت کی غرض سے آباد ہوئے یا آمد و رفت رکھتے تھے۔ بلتستان میں جو مخلوط تبّتی نسل آباد ہے اس کے بارے میں آرنلڈ نے لکھا ہے:

> ''کشمیر کے شمال اور شمال مشرق میں بلتستان اور لداخ کے علاقے ہیں، جہاں ایک مخلوط تبّتی نسل کے لوگ رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے یہاں کئی صدیوں سے اسلام مضبوطی سے قائم ہے...
>
> کشمیری تاجروں نے اسلام کو خاص تبت میں پہنچایا اور ان مسلمان تاجروں کی بستیاں ملک کے تمام بڑے بڑے شہروں میں پائی جاتی ہیں۔ وہ تبّتی عورتوں سے شادیاں کرتے ہیں اور یہ عورتیں اکثر اوقات اپنے شوہروں کا مذہب اختیار کر لیتی ہیں۔'' (۲۰)

عسیفان

بلاذری نے مسلمان تاجروں کی کارکردگی سے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے۔ یہ واقعہ

عسیفان شہر کا ہے۔ افسوس کہ اب عسیفان کا محل وقوع متعین کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ قدیم ترین عربی تاریخوں کے علاوہ اس نام کا کہیں اندراج نہیں۔ بلاذری نے تصریح کی ہے کہ یہ شہر کابل، ملتان اور کشمیر کے بیچ میں تینوں مقامات سے یکساں فاصلہ پر تھا۔

عرب مورخین عسیفان کا اکثر ذکر کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہر خاصا بارونق تھا اور اس شہر کا راجا بھی ہندستان کے بڑے راجاؤں میں شمار کیا جاتا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے:

> ''یہاں کے باشندے ایک بت کو پوجتے تھے اور انھوں نے اس کے لیے ایک مندر تعمیر کر رکھا تھا۔ اتفاقاً راجا کا بیٹا بیمار پڑ گیا اور اس نے مندر کے پروہتوں سے درخواست کی کہ وہ اپنے بھگوان سے اس کے بیٹے کی شفایابی کے لیے دعا کریں۔ ان پروہتوں نے پوجا پاٹ کرنے کے بعد راجا کو بتایا کہ بھگوان نے ان کی دعا قبول کر لی اور اب اس کا بیٹا شفایاب ہوجائے گا لیکن اتفاقاً ایسا ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد اس کا بیٹا مر گیا۔ اس پر راجا بہت برافروختہ ہوا۔ اس نے مندر کو منہدم کر دیا، پروہتوں کو قتل کر دیا اور بت کو توڑ دیا، اور مذہب سے اس کا اعتقاد بالکل ختم ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے اپنے علاقہ میں آباد کچھ مسلمان تاجروں کو بلایا۔ ان سے ان کے مذہب کی تفصیلات دریافت کیں، راجا کو یہ باتیں معقول لگیں اور وہ مسلمان ہو گیا۔(۲۱)

کشمیر میں مسلم تاجروں کے عمل دخل اور آباد ہونے کے اور بھی تاریخی شواہد موجود ہیں۔ ۱۰۳۳ میں جب سلطان مسعود غزنوی نے کشمیر فتح کیا تو وہاں مسلمان تاجروں کی بستیاں تھیں (۲۲) راجا ہرش (۱۰۸۹ء تا ۱۱۰۱ء) کی فوج میں بعض مسلمانوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس طرح تجارت اور ملازمت کے سلسلہ میں یہاں مسلمانوں کی آمد و رفت بھی رہی ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہاں آبادی بھی تھی۔

مسلمان تاجروں کے ذریعہ اشاعتِ اسلام بالعموم عملی قسم کی رہی ہوگی۔ یعنی مسلمانوں کے طرزِ عمل، بود و باش اور رہن سہن کے شستہ طریقوں نے غیر مسلموں کو متاثر کیا ہوگا اور اس طرح ان میں سے بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہوں گے۔

بلکہ مسلمانوں کے طور طریقے بعض ہندو خاندانوں نے بھی اختیار کر رکھے تھے۔ چناں چہ جب کشمیر مغلوں نے فتح کیا تو وہاں بکثرت ایسے ہندو خاندان تھے، جن کے طور طریقے اسلامی تھے۔ حتیٰ کہ ان میں سے گوشت خور د ہندو جانور بھی ذبح کر کے کھاتے تھے، مسلمانوں جیسا لباس پہنتے تھے اور اپنے بچوں کو مسلمان اتالیقوں کے ذریعہ پڑھواتے تھے (۲۳)

اسلامی تہذیب وتمدن کا اثر بحیثیت مجموعی پورے ہندستان میں ہوا، اس تأثر کی ابتدا یقیناً تاجروں کے ذریعہ ہوئی ہوگی۔

ہندستان ایک ایسا ملک ہے، جہاں ذات پات کا نظام بہت سخت ہے یہ نظام انسانوں کی نسلی طبقہ بندی کرتا ہے اور اس کو سختی سے نافذ کرتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں اسلام شرافت کا معیار بجائے نسب کے تقوی کو قرار دیتا ہے۔ جو شخص زیادہ متقی ہوگا، اس کا وقار اور اس کی توقیر اسی اعتبار سے ہوگی۔ مسلمانوں کی تربیت بھی اسی انداز پر ہوتی ہے، اس لیے اپنے تعامل اور برتاؤ میں بھی وہ اسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

مسلم تاجروں کا جب ہندوؤں سے ربط ہوا تو انھوں نے ہر طبقہ کے ساتھ یکساں سلوک کیا۔ مسلمانوں کے اس مساویانہ رویہ سے متاثر ہو کر بھی بہت سے ہندو خاص طور پر وہ لوگ جو کشمیر، عرب اور چین کے درمیان خشکی کے راستہ پر آباد تھے مسلمان ہوگئے۔ جس طرح مسلمانوں نے بحری راستوں پر اپنی آبادیاں قائم کیں، ٹھیک اسی طرح خشکی کے راستہ پر بھی قائم کی ہوں گی۔ چناں چہ تبت اور بلتستان نیز لداخ میں اسی طرح کی مخلوط اقوام کی آبادی کا سراغ ملتا ہے، جس طرح کی آبادی مالابار اور دیگر ساحلی علاقوں میں تھی۔

کشمیر میں مسلم تاجروں کی سرگرمیوں کا ذکر وضاحت سے نہیں ملتا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہاں صوفیہ کے اثرات جلد نمایاں ہوگئے تھے اور اس کے نتیجہ میں دیگر اثرات اتنے نمایاں نہیں رہے۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اسلام میں ذات برادری شرافت کا معیار نہیں ہے اور بحیثیت انسان تمام انسان مساوی اور یکساں سلوک کے مستحق ہیں، اس لیے ہندستان میں جہاں شرافت کا معیار نسب ہے، نیچی ذات کے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ متعدد مصنّفین نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ جیسے ایک مصنف B.Pasha لکھتے ہیں:

> ''اسلام کا اصول مساوات اور اخوت پسماندہ لوگوں کے لیے بڑی کشش کا سبب ثابت ہوا۔ اس دلچسپ سماجی مساوات نے لوگوں میں تحریک پیدا کردی۔ جو لوگ لمبے عرصہ سے عدم مساوات، ذات پات کے نظام اور اونچی ذاتوں کے ذریعہ دبے ہوئے تھے، انھوں نے خوش دلی سے اسلام قبول کیا۔'' (۲۴)

اسلام کے اس اصولِ مساوات کا عملی تجربہ بالعموم تاجروں کے ذریعہ ہوا۔ ایسا بھی ہوا ہوگا کہ حکمرانوں یا فاتحین کا حسنِ سلوک بھی اسلام کی تعلیمات مساوات کا مظہر بنا ہوگا۔ تاہم جو شواہد ملتے ہیں ان میں عام طور پر ایسے واقعات ہیں جو تاجروں کے تعامل کو مبرہن کرتے ہیں۔ ایک واقعہ ہے کہ عہد عالمگیری کے مشہور امیر مرشد قلی خاں جن کے نام پر مرشدآباد ہے، ایک ہندو غلام تھے۔ قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کسی پسماندہ ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کو حاجی شفیع نام کے ایک مسلمان تاجر نے ایک ہندو سے خریدا تھا۔ انہوں نے اس کی تعلیم و تربیت کی وہ مسلمان ہوگیا اور پھر اس کی خداداد صلاحیتوں کے اظہار کا موقع ملا تو بنگالہ کی نامور شخصیات میں شمار ہونے لگا۔

بنگال میں چوں کہ ہندوؤں کے ورن آشرم کی گرفت بہت سخت نہیں تھی اور بدھ مذہب کے اثرات وہاں خاصے نمایاں تھے بلکہ بدھ بڑی تعداد میں موجود تھے، اس لیے ہندوؤں کے مذہبی جبر کے بغیر بعض پسماندہ اقوام بہ آسانی حلقہ بگوش اسلام ہوگئیں۔ ہنٹر نے اپنی کتاب Our Indian Musalman میں اسلام کے اس اصولِ مساوات اور اشاعتِ اسلام میں اس کے کردار سے متعلق روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

> ''ان مفلس لوگوں کے لیے جن میں ماہی گیر، شکاری، سمندری ڈاکو اور نیچ ذات کے کاشت کار شامل تھے، اسلام ایک نعمت عظمیٰ تھی، جو ان پر عرش بریں سے اتری۔ اسلام حکمراں قوم کا مذہب تھا اور اس کے پرجوش مبلغ خدا کی توحید اور انسانی مساوات کا مژدہ لے کر ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جس کو سب لوگ حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے اور جن کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ قبولِ اسلام کی ابتدائی رسم کے بعد ان کے لیے ارتداد ناممکن ہوجاتا تھا اور نو مسلم اور ان کی اولاد ہمیشہ کے لیے مومن صادق بن جاتے تھے۔ اس طرح اسلام ہندستان کے سب سے زیادہ شاداب اور سرسبز صوبہ میں مضبوطی سے قائم ہوگیا، جو ایک انتہائی گنجان اور روز افزوں آبادی کی پرورش کے قابل تھا۔ جبراً مسلمان کرنے کے واقعات کا کہیں کہیں ذکر آیا ہے لیکن جنوبی بنگال میں اسلام کو جو مستقل اور پائیدار کامیابی حاصل ہوئی اس کا سبب جبر و اکراہ نہیں ہے۔ اس مذہب میں لوگوں کے لیے کشش تھی اور اس کو بیشتر ماننے والے غریب اور نادار طبقہ سے ملے۔ اسلام نے ان کو خدا کی ذات کا ایک اعلیٰ تصور دیا، انسانی اخوت اور مساوات کے ایک اشرف تخیل سے آشنا کیا۔ بنگال میں نیچ ذاتوں کے لاکھوں آدمی

صدیوں سے ہندو سماج کے رحم و کرم پر ذلت و خواری کے دن کاٹ رہے تھے، لیکن اسلام نے ان کو ایک نئے معاشرے میں داخل ہونے کا راستہ کھول دیا۔" (۲۵)

اسلام کے اصول مساوات نے اشاعت اسلام میں سب سے زیادہ کامیابی حاصل کی۔ صوفیہ و علماء کی تبلیغی مساعی میں بھی اس کی جھلک نظر آتی ہے اور تاجروں کے کردار میں بھی۔

تاجروں کا دوسرا طریقہ تعلیم و تربیت کا تھا، تاجر اپنے ہندو ملازموں اور غلاموں کو اچھی تعلیم و تربیت دیا کرتے تھے۔ یہ تربیت دراصل ان کی ضرورت تھی۔ ان کو کاروبار میں تعاون کے لیے تربیت یافتہ افراد کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہ تربیت بعض لوگوں کے لیے قبول اسلام کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ اس طرح کا ایک واقعہ مرشد قلی خاں کے اسلام کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں میں اس طریقہ سے مسلمان ہونے والوں کا اور بھی تذکرہ ملتا ہے۔

ایسا بھی ہوتا تھا کہ مسلمان تاجروں اور دیگر خوش حال مسلمانوں کی خیرات پر پلنے والے ہندو یا قحط وغیرہ میں ان کے دامان عافیت میں پناہ لینے والے لوگوں میں سے بھی بعض اوقات مسلمان ہو جاتے ہیں۔ آرنلڈ نے لکھا ہے:

> "ایسے مفلس ہندو جو مسلمانوں کی خیرات پر پلتے ہیں یا عورتیں اور بچے جو ماں باپ کے مر جانے سے لاوارث ہو جاتے ہیں یا ماں باپ ان کو چھوڑ دیتے ہیں اور وہ مسلمانوں کی حفاظت اور کفالت میں آ جاتے ہیں جیسا کہ قحط سالی کے زمانہ میں اکثر ہوتا ہے تو ایسے لوگ بھی مسلمان ہو جاتے ہیں۔" (۲۶)

مسلمان تاجروں کا بالعموم یہ طریقہ رہا ہے کہ جب کسی علاقہ میں بود و باش اختیار کرتے ہیں تو ابتداءً وہاں صرف مرد جا کر آباد ہوتے ہیں اور پھر حالات سازگار ہونے پر اہل خانہ کو لے جاتے ہیں۔ اس کی مثالیں آج بھی ہیں۔

تاہم ایسے تاجر بھی ہوتے تھے جو مقامی آبادی سے ازدواجی تعلقات استوار کر لیتے تھے۔ اس طرح وہ جن عورتوں سے نکاح کرتے وہ مسلمان ہوتیں اور ان کی اولاد بھی مسلمان ہو جاتی تھی اور اگر کوئی مقامی آدمی مسلمان خواتین سے شادی کرنا چاہتا تو وہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا۔ اس طرح مسلمانوں کی ایک مخلوط قوم تاجروں کے تعامل سے وجود پذیر ہوئی۔ چناں چہ ساحلی علاقوں میں اس کی مثالیں اتنی کثرت سے ہیں کہ بقول آرنلڈ ساحلی آبادی بالعموم ایسے ہی لوگوں پر مشتمل ہے اور ان میں باہری لوگوں کا تناسب بہت کم ہے۔ (۲۷)

مسلمان تاجروں کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ اپنی بستیوں میں اپنے خرچ پر مبلغین کو لایا کرتے تھے، جو اسلام کو دلائل و براہین سے ثابت کرتے، اور ساتھ ہی ان سے مسلمانوں کی دینی ضروریات کی تکمیل بھی ہوتی تھی۔(۲۸) آرنلڈ نے بھی اس کی تائید کی ہے، لکھا ہے:

> عرب تاجروں اور سپاہیوں کے ساتھ واعظ بھی ملک میں داخل ہوئے تا کہ اسلام کو ترقی دیں اور تعلیم و تلقین سے کافروں کو راہِ راست پر لائیں۔"(۲۹)

—— OO ——

حواشی:

۱- مروج الذہب، ص ۱/۳۸۳، ہندستان عربوں کی نظر میں، ص ۱/۲۹۰

۲- مروج الذہب ۲/۸۶، ہندستان عربوں کی نظر میں، ص ۱/۹-۳۱۰،
عرب ہند کے تعلقات، ص ۲۶، ۲۷

۳- مروج الذہب، ص ۱/۳۸۴، ہندستان عربوں کی نظر میں، ص ۱/۲۹۲

۴- عجائب الہند، ص ۱۶۰، برعظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ، ص ۷۰

۵- العوفی: لب اللباب باب دوم، ورق ۸۵، بحوالہ برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۷۱

۶- برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۷۱

۷- دعوتِ اسلام، ص ۶۸۷

۸- دعوتِ اسلام، ص ۲۶۴

۹- دعوتِ اسلام، ص ۲۸۷

۱۰- دعوتِ اسلام، ص ۲۱۲، ۲۶۳ تحفۃ المجاہدین، ص ۳۴، ۳۵، ۳۶

۱۱- تحفۃ المجاہدین، ص ۲۳، ۲۴

۱۲- دعوتِ اسلام، ص ۲۶۴

۱۳- آبِ کوثر، ص ۴۶

۱۴- آبِ کوثر، ص ۴۷

۱۵- Islam and Muslims in south Asia p.1

۱۶- آبِ کوثر، ص ۴۳، دعوتِ اسلام، ص ۲۶۹

۱۷- عرب و ہند کے تعلقات، ص ۲۷

۱۸- دعوتِ اسلام، ص ۲۸۹

۱۹- دعوتِ اسلام، ص ۲۸۹، ۲۹۰

۲۰- دعوتِ اسلام، ص ۲۸۹

۲۱- دعوتِ اسلام، ص ۲۸۹

۲۲- دعوتِ اسلام از شیخ اسمٰعیل پانی پتی، ص ۵۶۴، بحوالہ فتوح البلدان، ص ۴۴۶

۲۳- برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۶۲

۲۴- دعوتِ اسلام، ص ۲۸۶

۲۵- Ancient history of India p.474

۲۶- دعوتِ اسلام، ص ۲۷۷

۲۷- دعوتِ اسلام، ص ۲۸۷

۲۸- دعوتِ اسلام (اسماعیل پانی پتی)، ص ۵۷۶

۲۹- دعوتِ اسلام (اسماعیل پانی پتی)، ص ۵۶۵

مراجع

عربی وفارسی

۱- حامد الکوفی: چچ نامہ، حیدرآباد، ۱۳۵۸

۲- زین الدین ملیباری: تحفۃ المجاہدین فی بعض اخبار البرتغالین، مکتبہ الہدی کالی کٹ بدون سنہ

۳- ابن اثیر: الکامل فی التاریخ، دارصادر، بیروت، ۱۹۶۵

۴- مولانا عبدالحیؒ: نزہۃ الخواطر، مکتبہ دارعرفات راہ بریلی، ۱۹۹۳

۵- شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی: خیر المجالس، تحقیق خلیق احمد نظامی، علی گڑھ

۶- امیر حسن سجزی: فوائد الفواد، دہلی

۷- شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی: مکتوبات، مطبع یوسفی، دہلی

۸- شہید نورالدین حسینی فخری: فخر الطالبین، ملفوظات شاہ فخر الدین دہلوی، مطبع مجتبائی، دہلی

۹- خواجہ گیسودراز: جوامع الکلم، حیدرآباد

۱۰- شاہ عبدالعزیز: ملفوظات، مطبع مجتبائی میرٹھ

۱۱- شہزادہ داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء، اردو ترجمہ محمد وارث کامل، صابری بک ڈپو دیوبند، بدوں سنہ

۱۲- امیر خورد کرمانی: سیر الاولیاء، دہلی

۱۳- محمد قاسم فرشتہ: تاریخ فرشتہ، مخزونہ ادارہ تحقیق علی گڑھ، بدون مطبع وسنہ

۱۴- عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ (اردو ترجمہ) لاہور

۱۵- سلطان جہانگیر: توزک جہانگیری، کراچی

۱۶- صمصام الدولہ شاہنواز خاں: مآثر الامراء

۱۷- محمد عوفی شطاری: اذکار الابرار، خدابخش لائبریری، پٹنہ

۱۸- شیخ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۳۲

۱۹- مولانا جمالی: سیر العارفین، دہلی، مطبع رضوان ۱۳۱۱ھ

۲۰- مولوی سید محمد علی: مخزن احمدی، طبع آگرہ ۱۲۹۹ھ

۲۱- شیخ شرف الدین یحییٰ منیری: مکتوبات صدی، نول کشور، ۱۸۸۹

۲۲- فیروز شاہ تغلق: فتوحات فیروز شاہی، علی گڑھ، ۱۹۵۴

اردو

۱- اشتیاق حسین قریشی: برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ، ادارۂ ثقافت اسلامی، لاہور

۲- شیخ محمد اکرام: آبِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

۳- شیخ محمد اکرام: رودِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

۴- شیخ محمد اکرام: موجِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

۵- عابد علی وجدی: ہندستان اسلام کے سایے میں، بھوپال بک ہاؤس، بھوپال ۱۹۸۲

۶- آرنلڈ: دعوتِ اسلام (The Preaching of Islam) کا اردو ترجمہ از عنایت اللہ، طبع لاہور ۱۹۷۲

۷- مولانا حبیب الرحمٰن خاں: تذکرہ صوفیائے میوات، میوات اکیڈمی، ہریانہ

۸- سید ضمیر الدین: مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری: احوال وافکار، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۱۹۹۴ (عکسی طباعت)

۹- خواجہ حسن نظامی: فاطمی دعوت اسلام، دہلی

۱۰- شیخ اسماعیل پانی پتی: تاریخ اشاعت اسلام، لاہور

۱۱- ضیاء الدین برنی: تاریخ فیروز شاہی، ترجمہ ڈاکٹر سید معین الحق، اردو سائنس بورڈ لاہور، طبع چہارم ۲۰۰۴

۱۲- پروفیسر نذیر احمد: تذکرہ شیخ سنجان، مشمولہ غالب نامہ، دہلی

۱۳- ڈاکٹر ظہور الحسن شارب: تذکرہ صوفیائے گجرات، جمیل اکیڈمی، احمد آباد ۱۹۸۱

۱۴- کنور محمد اشرف: ہندستانی معاشرہ عہد وسطیٰ میں، قومی کونسل برائے فروغ اردو، دہلی

۱۵- مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ: سیرت سید احمد شہید، مجلس تحقیقات ونشریات، لکھنؤ

۱۶- طفیل احمد منگلوری: مسلمانوں کا روشن مستقبل، کتب خانہ عزیزیہ، ۱۹۴۵

۱۷- محمد ایوب قادری: تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ، کراچی

۱۸- ابوظفر ندوی: تاریخ سندھ، دارالمصنفین اعظم گڑھ

۱۹- محمد عباس خاں شیروانی: مرآۃ مسعودی، شروانی پریس علی گڑھ

۲۰- ضیاء الدین علوی: مرآۃ الانساب، مطبع رحیمی، جے پور ۱۳۳۵

۲۱- محمود خاں بنگلوری: سلطنت خداداد، ہمالیہ بک ہاؤس دہلی ۱۹۸۹

۲۲- سید سلیمان ندوی: عربوں کی جہاز رانی دارالمصنفین اعظم گڑھ

۲۳- مولانا محمد میاں: علمائے ہند کا شاندار ماضی، کتابستان، دہلی ۱۹۸۵

۲۴- یٰسین مظہر صدیقی: اشاعت اسلام میں علماء کا حصہ مشمولہ تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ، جلد ۶، شمارہ ۱

۲۵- اوم پرکاش پرساد: اورنگ زیب ایک نیا زاویہ نظر، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری

۲۶- سید صباح الدین عبدالرحمٰن (مرتب) ہندستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک، دارالمصنفین، اعظم گڑھ ۱۹۵۸ء

۲۷- خلیق احمد نظامی: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۸۱

۲۸- محسن عثمانی: دعوتِ اسلام، یونیورسل پیس فاؤنڈیشن، دہلی، طبع دوم ۲۰۰۱

۲۹- مولانا عبدالماجد دریابادی: محمد علی: ذاتی ڈائری کے چند ورق، صدق فاؤنڈیشن، لکھنؤ ۲۰۰۵

۳۰- پروفیسر احتشام احمد ندوی: مالابار میں اسلام، مشمولہ تحقیقات اسلامی، علی گڑھ جلد ۲۴، شمارہ ۲۔ اپریل۔ جون ۲۰۰۵۔

۳۱- شیخ ابراہیم: ثنائے محبوب خالق مقدمہ از جناب مغیث احمد صمدانی طبع دوم۔ کراچی، ۲۰۰۵

انگریزی

۱- K.A. Nizami: Religion and Politics in India A.M.U. Aligarh, 1961

۲- K.S. Lal: Indian Muslims who are they, voice of India Publications, New Delhi 1993

۳- Harash Narayan: Jizya and the Spread of Islam, Voice of India 1997

۴- Mohar Ali: History of the Muslims of Bengal, Imam M. Saud Islamic University, Riyadh, K.S.A. 1985

۵- T.W. Arnold: The Preaching of Islam, Low Price Publications. New Delhi- 1995.

اِس کے سوا چارہ نہیں کہ....

آپ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس دین کو زمین میں قائم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں اور، یا تو اسے قائم کر کے چھوڑیں یا اسی کوشش میں جان دے دیں۔ یہی کسوٹی ہے جس پر آپ کے ایمان و اعتقاد کی صداقت پرکھی جا سکتی ہے۔ آپ کا اعتقاد سچّا ہوگا تو آپ کو کسی دوسرے دین کے اندر رہتے ہوئے آرام کی نیند تک نہ آسکے گی کجا کہ آپ اس کی خدمت کریں اور اس خدمت کی روٹی مزے سے کھائیں اور آرام سے پاؤں پھیلا کر سوئیں۔ اس دین کو حق مانتے ہوئے تو جو لمحہ بھی آپ پر کسی دوسرے دین کی ماتحتی میں گزرے گا، اس طرح گذرے گا کہ بستر آپ کے لیے کانٹوں کا بستر ہوگا، کھانا زہر اور حنظل کا کھانا ہوگا اور دینِ حق کو قائم کرنے کی کوشش کیے بغیر آپ کو کسی کُل چین نہ آسکے گا لیکن اگر آپ کو دین اللہ کے سوا کسی دوسرے دین کے اندر رہنے میں چین آتا ہو اور آپ اس حالت پر راضی ہوں تو آپ مومن ہی نہیں، خواہ آپ کتنا ہی دل لگا کر نماز پڑھیں، کتنے ہی لمبے لمبے مراقبے کریں، کتنی ہی قرآن وحدیث کی شرحیں فرمائیں اور کتنا ہی اسلام کا فلسفہ بگھاریں۔

مفکرِ اسلام مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ